قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذِکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

اویسیہ سوسائٹی ۔ کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور ۔ ۵۴۷۷۰

تصوّف کیا ہے؟

لُغت کے اِعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اِعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے ، اِس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصُولِ رضائے اِلٰہی ہے ۔ قرآن و حدیث کے مطالعے ، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت مِلتا ہے ۔

(دلائلِ السُّلوک)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

ماہنامہ المرشد لاہور

جلد : ۱۶ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ بمطابق جون 1995ء شمارہ ۱۱

فہرست مضامین

اداریہ	۳
تزکیہ اور فلاح	۴
مشکل ہے مسلماں رہنا	۱۳
ملاقات	۲۲
چیچین کے جہاد کا تاریخی پس منظر	۳۲
صفارہ کالج لاہور کا پس منظر اور مقصد قیام	۳۴
آپ نے پوچھا	۳۷

بدل اشتراک

تاحیات : ۲۰۰۰ روپے

فی پرچہ بارہ روپے

سالانہ : ۱۵۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ — تاحیات

سری لنکا - بھارت - بنگلہ دیش

۳۰۰ روپے ۳۰۰۰ روپے

مشرقِ وسطیٰ کے ممالک : —

۵۰ سعودی ریال ۲۵۰ سعودی ریال

برطانیہ اور یورپ : —

۲۰ سٹرلنگ پونڈ ۱۰۰ سٹرلنگ پونڈ

امریکہ و کینیڈا : —

۳۵ امریکن ڈالر ۲۰۰ امریکن ڈالر

پتہ : ماہنامہ المرشد - اویسیہ سوسائٹی - کالج روڈ - ٹاؤن شپ لاہور فون : 5115086

ناشر : پروفیسر حافظ عبدالرزاق پرنٹرز : انتخاب جدید پریس لاہور Phones: 6314365-6368369

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

آج کے دور میں ہم مسلمان جب کہ لسانی، مذہبی اور علاقائی جھگڑوں اور جنگ و جدل میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ رہے ہیں۔ مغربی یورپ کی اقوام متحد ہو کر ایک یونین بنا چکی ہے اور یہ اتحاد سرحدوں کی حدود کو پار کرتا ہوا مزید مضبوط اور وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ امریکہ بھی ایک متحد اور طاقتور ملک ہے اس کی حکومت، وہاں کے سیاستدان، بیوروکریٹ سب اپنی قوم کے ساتھ وفادار اور ان کے اور ان کے مفادات کے محافظ ہیں۔ علم و ہنر، ریسرچ، ٹیکنالوجی اور تجارت میں سب سے آگے ہیں۔

تعداد میں کم ہونے کے باوجود یہودی اس وقت ایک زندہ، ہوشیار اور اپنی قوم کے ساتھ وفادار ہے۔ وہ اپنے ہر شہری کی حفاظت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسرائیل کا ایک شہری یا سپاہی مارا جائے تو وہ چند لمحوں میں اپنے دشمن کی پوری کی پوری بستیاں ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ مجرم اپنا وار کر کے امریکہ میں ایک بلڈنگ کو بم سے اڑاتا ہے تو پورا امریکہ اس درد سے چیخ اٹھتا ہے یہاں تک کہ صدر بھی لرز جاتا ہے اور پھر بجلی کی سرعت کے ساتھ ایف بی آئی اور دوسرے ادارے حرکت میں آ جاتے ہیں۔ راتوں رات مجرم گرفتار ہو جاتا ہے۔ دنیا کے کسی کونے میں کسی امریکن شہری کے ساتھ زیادتی ہو جائے تو پوری قوم حرکت میں آ جاتی ہے۔ یہ زندہ قوموں کا کردار ہے۔

---------- اور مسلمان؟ پوری امت کی بات تو چھوڑیئے، اپنے ہی گھر، اپنے ہی وطن کے اندر حالات دیکھئے کیا ہیں۔ ہم اپنے لئے مہذب اور مسلمان جیسے الفاظ استعمال کر کے ان الفاظ کی توہین کر رہے ہیں۔ وحشی اور درندے جیسے الفاظ کے اہل بھی ہم نہیں۔ کیونکہ درندہ تو صرف ضرورت کی خاطر حسب ضرورت چیر پھاڑ کر لیتا ہے۔ لیکن اپنی نسل کشی وہ بھی نہیں کرتا۔ درندوں کے برعکس پاکستانی قوم نے جس انداز سے اپنی نسل کشی شروع کر رکھی ہے اس کی مثال دینے پر تاریخ انسانی بھی شرمندہ ہے۔ روز سینکڑوں شہریوں کو گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے! کوئی پوچھنے والا نہیں ہے نہ حکومت نہ حکمران، کسی کے احساس میں جنبش تک نہیں آتی۔

ہمارا کردار اس حال کو پہنچ چکا ہے کہ رشوت اور قومی خزانے کی لوٹ تو حقوق کا درجہ حاصل کر چکا ہے، ہم تو ایسے قوم فروش بن چکے ہیں کہ میر صادق اور جعفر کی روحیں بھی بلبلا اٹھی ہیں۔ حکمرانوں اور سیاسی رہنماؤں کا تو ذکر ہی کیا، ہمارے دینی رہنما تک اپنی قوم، اپنے پیروکاروں، عقیدت مندوں اور دین تک کو ہنود و یہود کے ہاتھوں فروخت کرنے میں مصروف ہیں ایسی تحریکیں جو پورے خلوص اور جذبے کے ساتھ احیائے اسلام کے لئے اٹھیں ان کے رہنما بھی چند ٹکوں میں بھارت اور اسرائیل کے پاس بک گئے۔ جو عمارت تعمیر کرنے وہ اٹھے تھے اب نہ صرف اس کی بنیادیں اکھیڑنے میں لگ چکے ہیں بلکہ ان مخلص اور جان نثار مجاہدوں کے لئے ان بنیادوں کو قبروں میں تبدیل کر رہے ہیں۔ نعرہ اسلام کا۔ وفاداری کفار کی۔ اور ہم بہ حیثیت قوم سب کچھ جانتے اور محسوس کرتے ہوئے بھی ان نعروں کے نشئی بن چکے ہیں اور دن رات دینی مافیا کے لئے کٹتے مرتے رہتے ہیں۔

وہ قومیں تو زندہ ہیں جن کو برا بھلا کہتے ہم تھکتے نہیں جن کو ہم اپنے تمام مصائب کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اپنی بدحالی، بگاڑ اور بدنظمی ان کے سر تھوپ کر سرخرو ہوتے ہیں، پھر انہی کے پاس اپنی مائیں بہنیں، بیوی بچے اور دین فروخت کر کے کاسہ گدا لے کر ان کے در پر جانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لعنت ہے ہم جیسی بے حس اور مردہ قوم پر ایسے لیڈروں پر، اور اسلام کے نام پر تحریکیں چلانے والوں پر اور ان کے پیچھے چلنے والوں پر۔

تاج رحیم

نہ آسکی۔ ان کو نہ دے سکے۔ یہ ان کا قصور نہیں تھا اللہ کی مرضی کہ انہیں حصول تک محدود رکھا۔ تقسیم پر نہیں لگایا اس کی مرضی۔

تو اگر کہیں ایسی مجالس، ایسی صحبت، کہیں ایسا اللہ کا بندہ مل جائے تو یہ دولت دوسرے کو دے بھی سکے تو یہ اتنا بڑا انعام ہے اتنا بڑا انعام ہے رب کریم کا کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اب اس بات کو اس لئے کرتے رہنا کہ عام لوگ نہیں کرتے تو یہ دلیل تو ہمیں نماز سے بھی روک سکتی ہے کہ اکثریت مسلمانوں کی نماز ادا نہیں کرتی تو ہم کیوں کریں، اکثریت مسلمانوں کی زکوۃ نہیں دیتی تو کیا ہم اکثریت کے پیچھے جائیں گے یا جو حق ہے اس کے پیچھے جائیں گے۔ آدمی کو حق کا ساتھ دینا پڑتا ہے اکثریت کا نہیں۔ خدانخواستہ اکثریت گمراہ ہو جائے تو وہ دلیل تو نہیں بن جاتی اس وقت یا اکثریت اگر اس نعمت سے خالی یا محروم رہ گئی، ناواقف رہ گئی اکثریت آپ کو ایسی ملے گی جنھوں نے ہیرے کا نام تو سنا ہے ساری زندگی انہوں نے ہیرا دیکھا نہیں ہے۔ انہیں ملے تو شیشے سے زیادہ اس کی قیمت نہیں لگائیں گے تو کیا آپ اکثریت کی بات مان لیں گے یا ہیرے کی اصل قیمت پہ جائیں گے حق پر جانا پڑتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اگر حق سے بے شمار لوگ ناواقف ہو چکے ہیں تو اس بات کو محسوس کرنا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ بارالہا انہیں بھی یہ دولت نصیب فرما دے۔ یہ تیرے بندے ہیں، ہمارے بھائی ہیں اگر ہمیں خبر ہے تو ہمارے ذمے ہے کہ ہم دوسروں کو بھی آگاہ کریں نہ یہ کہ خود چھوڑ دیں ایک بات۔

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کیا کیجئے۔ دیکھیں ایک آدمی کو اگر گاڑی مل بھی گئی وہ اسے چلاتا بھی رہا لیکن اس نے سفر نہیں کیا وہ ایک جگہ اسے گول گھماتا رہا تو اسے گاڑی ملنے نہ ملنے سے کیا فرق پڑا۔ اگر ہمیں ذکر الہی کی توفیق اور ذکر کی مجالس نصیب ہو گئیں تو ہمیں اس کے ساتھ اپنے روزمرہ کے معمولات کا موازنہ کرتے رہنا چاہئے کہ میں پہلے ذکر سے پہلے اگر میں نماز نہیں پڑھتا تھا تو کیا اس کے طفیل میں نے عبادت شروع کی لی، ذکر نہیں کرتا تھا تو غلط سلط یا دوسروں کا مال بھی کھا لیتا تھا پرواہ نہیں ہوتی تھی لیکن کیا اس کے ساتھ کیا میرے معاملات میں دیانت آنی شروع ہو گئی مجھے احساس ہونے لگ گیا اس طرح جتنی عملی زندگی ہے جس کے ہم مکلف ہیں۔ جس میں بیویوں کا حق ہے، والدین کے حقوق ہیں، اولاد کے حقوق ہیں، دوستوں کے حقوق ہیں، مالی معاملات ہیں، لین دین کے معاملات ہیں۔

ملازمت ہے، تجارت ہے، مزدوری ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ دن بھر کی جو مصروفیات ہیں۔ جاگنے سے لیکر سونے تک ان سب کو **روبقبلہ** ہونا چاہئے۔ صرف ایک وجود کو ٹیک کر اس کا رخ کعبہ کی طرف کرنا مقصود نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ ہمارا کردار، ہمارے نظریات ہماری سوچ سب کا ایک قبلہ بن جائے اور سب کی تمنا جو ہو وہ یہ ہو کہ مجھے اللہ کا قرب اور مجھے اللہ کی رضا حاصل ہو۔

اور اگر خدانخواستہ ذکر کے بعد بھی ہماری اصلاح نہیں ہو پاتی تو پھر اندازہ کیجئے کہ اس مریض کا کیا حال ہے جس کو آب حیات کے بعد بھی صحت نصیب نہیں ہوتی۔ یعنی اس کے بعد تو کوئی علاج نہیں ہے اس سے بڑھ کر تو کوئی دوا نہیں ہے، اس سے آگے تو پھر کوئی دوا نہیں ہے۔ اس سے آگے تو پھر کوئی اصلاح کی تدبیر ہی نہیں ہے، تجویز ہی نہیں ہے کہ ہمیں صرف اس بات پر خوش نہیں ہونا چاہئے کہ چلو جی ہم تو ذکر کرتے ہیں فلاں ذکر نہیں کرتا۔ ہم اچھے ہیں فلاں برا ہے۔ نہیں لوگ ہم سے اچھے ہیں اللہ سب پر رحم کرے۔ اگر ہم ذکر کرتے ہیں تو ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ہم نے موٹر چلائی تو ہم کبھی سر باہر نکال کر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جس راستے پر ہم چل رہے ہیں سفر کتنا طے کر لیا۔ صرف موٹر چلانا تو مقصد نہیں ہے مجھے گاڑی مل گئی اس میں تیل بھی ہے، مجھے ڈرائیونگ بھی آتی ہے، میں چلا رہا ہوں اگر اسے میں اس مکان کے گرد پھرا رہا ہوں تو جہاں مجھے

پہنچنا ہے وہاں تو نہیں جاؤں گا۔ تو اپنا محاسبہ جو ہے دوسروں پر نگاہ ڈالنے سے پہلے اپنا محاسبہ ہر آدمی بہت آسانی سے کر سکتا ہے کہ میری صبح کیا تھی، شام کیسی ہے، کل کیسا تھا، آج کیسا ہے۔ میں کس سمت بڑھ رہا ہوں۔

چونکہ اللہ کریم جب نعمتیں دیتے ہیں اور ان کی خدانخواستہ ناقدری کی جائے تو پھر چھین لی جاتی ہیں۔ اور جب چھن جاتی ہے پھر بات بگڑ جاتی ہے تو پھر اسے دوبارہ حاصل کرنا محال ہو جاتا ہے۔ جس طرح آپ نے دیکھا آپ کسی چیز کا بیج بو دیں تو ایک دفعہ وہ اگتا ہے اگر اس کی وہ کونپل ختم ہو جائے سوکھ جائے تو پھر اسے صدیوں دبائے رکھیں وہ پھر اگنے کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر اسے آپ پانی دیتے رہیں، کھاد ڈالتے رہیں، نگرانی کرتے رہیں۔ پھر وہ گلتا سڑتا ہی ہے اگتا نہیں۔ یہی حال انسانی قلوب کا بھی ہوتا ہے انہیں جب یہ نعمت نصیب ہوتی ہے تو جس طرح ہم کھیتی کی نگہداشت کرتے ہیں بروقت اسے پانی دیتے ہیں اسے اس کے اجاڑنے والوں کا تحفظ کیا کرتے ہیں، باڑ لگاتے ہیں یہ ساری محنت کر کے پھل کی امید رکھتے ہیں۔

اسی طرح جب ذکر الٰہی کی تخم ریزی ہم دل میں کرتے ہیں پھر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ میں غذا کو حلال کروں، جائز کروں، طیب کروں، پاک کروں، معاملات کو صحیح کروں اگر ان میں یہ فتور رہا تو اس کا مطلب ہے شیطان کے لئے دروازے رہیں گے جانور کے لئے راستہ رہ جائے گا جو اس فصل کو اجاڑتا ہے۔ تو محض اس بات پہ ہمیں خوش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ذکر کر لیتے ہیں تو بہت بات ہے۔ بات تو بڑی ہے واقعی لیکن کیا اس سے جو کیفیات حاصل ہوتی ہیں ان کی حفاظت کا حق بھی ادا کر رہے ہیں اور اگر اس پہ تھوڑا سا آدمی احساس کو بیدار رکھے تو اللہ کریم مدد فرماتے ہیں چونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو شخص میرے حصول کے لئے، میرے قرب کے لئے، مشقت اٹھانا شروع کر دیتا ہے میں خود اسے سنبھال لیتا ہوں۔ پھر یہ مشکل نہیں رہتا لیکن اہتمام بہرحال ہمارے ذمے ہے۔ کہ ہم اس اہتمام کو جاری رکھیں اور اپنی دن بھر کی مصروفیات کا دن بھر کی سوچوں کا۔

میرے پاس ایک بچی آئی۔ وہ ذکر کیا کرتی ہے۔ الحمداللہ پڑھی لکھی ہے، نیک ہے، بی۔ ایس۔ سی ہے، اس کا خاوند جیل میں تھا، بہت برا حال ہے مختلف خاندانوں کے بے شمار لوگ قتل ہو چکے ہیں اسے سزائے موت ہو چکی تھی۔ میں نے کہا اللہ اللہ کرو، دعا کرتے ہیں۔ اللہ کریم قادر ہے اس کی مصیبت ختم کر دے اور تمہیں اس تباہی سے بچا لے۔ وہ خود بھی بڑا خوفناک قسم کا آدمی تھا اور وکیل اسے جواب دے چکے تھے لیکن اللہ قادر ہے تو اسے اعلیٰ عدالت نے بری کر دیا، بالکل ہی چھوڑ دیا سال ڈیڑھ سال کے بعد آگیا تو مجھ سے ملنے آیا تو مجھ سے کہنے لگا کہ میرے حضرت میرے بھائی والد یہ دشمنوں نے بعد میں قتل کر دیئے ہیں۔ میں تو جیل میں تھا مجھے بھی قتل کریں گے نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے کہا یار ایک بات میرے ساتھ طے کر لو تم کسی کو قتل کرنے کے درپے نہ ہونا تمہیں کوئی قتل نہیں کرے گا۔ لیکن اگر تم دوسروں کو قتل کرنے کے درپے ہو تو کوئی تمہیں کر دے تو یہ عجیب بات نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ ہم پہ لوٹتا ہے۔ میں نے کہا تم نے ان کے آٹھ دس آدمی قتل کئے تم مفرور رہے تم جیل میں چلے گئے۔ پھر انہوں نے تمہارے چار پانچ قتل کر دیئے اب ایسا کرو اگر وہ باز نہیں آتے تو تم یہ عہد کر لو کہ اللہ میں ان کے کسی آدمی کو عملاً" بلاارادہ قتل نہیں کروں گا۔ وہ تم پہ حملہ کرتے ہیں تو اللہ تمہیں اپنی حفاظت کا حق دیتا ہے۔ اپنی حفاظت کرو، اپنے پاس اسلحہ رکھو۔ کوئی تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے، مقابلہ کرو یہ الگ بات ہے لیکن تم یہ ارادہ دل سے نکال دو کہ فلاں کو زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ اگر تم کسی بھی برے سے برے آدمی کے پیچھے جاؤ گے تو اللہ کا تو وہ بھی بندہ ہے وہ تم سے اپنی حفاظت اٹھا لے گا تم اپنے محافظ خود ہی ہو۔ لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی میں نے

اسے سمجھایا کہ میری عمر نصف صدی سے گزر چکی ہے اور میں ابھی نیا نیا بالغ ہو رہا تھا تو ہماری زندگی بھی بالکل قبائلی ہے اس وقت سے لوگ مخالف جو ہیں وہ مجھے قتل کرنے کی تجویزیں کرتے چلے آرہے ہیں اور کتنے لوگ مفرور رہے' ڈاکو رہے' گرفتار ہوئے' سزا پائی' قتل ہوئے' پولیس مقابلے میں مارے گئے۔ میں نے کہا میری گاڑی میں ہر قسم کا اسلحہ ہر وقت موجود ہوتا ہے لیکن میں صرف اپنی حفاظت تک رہتا ہوں میں نے کبھی نہیں سوچا کہ کسی دشمن کو بھی قتل کروں۔ اس لئے اللہ کی مخلوق ہے۔ جو نیکی کرے گا اللہ سے اجر پائے گا' برائی کرے گا اللہ کریم اس سے حساب لے گا۔ اگر کوئی مجھے قتل کرنا چاہے گا تو اللہ نے مجھے اپنی حفاظت کا حق دیا ہے کوئی مجھ پر فائر نہیں کرے گا تو میں کسی پر نہیں کرونگا۔ تو دیکھ لو میں تو بوڑھا ہو چلا ہوں کوئی مجھے قتل نہیں کر سکا جتنے لوگ مجھے قتل کرنے کے منصوبے بناتے رہے میں نے انہیں سربازار قتل ہوتے دیکھا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ جب وہ قتل ہو گئے تو میں نے ان کے ورثاء کی بھی مدد کی کہ یہ غریب قتل ہو گئے' ان پر مصیبت آگئی ہے' ان سے ہمدردی کرنی چاہئے۔ بحیثیت انسان ہر آدمی کا ایک اپنا کردار ہوتا ہے تم اپنے کردار کی ضمانت دو۔ دوسرے کو اللہ کے سپرد کرو' وہ جانے اس کا کام جانے۔

تو ایک دن بچی کا ٹیلی فون مجھے آیا کہ جی وہ قتل ہو گیا ہے' اللہ کی مرضی قتل ہو گیا۔ آپ آئیں جنازہ پڑھانے کے لئے۔ میں بیمار تھا میں نے کہا میں اٹھ نہیں سکتا ہوں کوئی ڈیڑھ سو میل سفر ہے میں سفر کے قابل ہی نہیں ہوں بہرحال بعد میں بات ہو گی۔ پھر ملاقات ہوئی' بڑی پریشان تھی۔ میں نے کہا ایک بات دیانت داری سے بتاؤ۔ میں نے جب اسے کہا تھا کہ تم انہیں قتل نہ کرو تو کیا اس نے بات مان لی تھی۔ کہنے لگی آپ سے جانے کے بعد چار مہینوں میں ان کے چار آدمی اس نے قتل کئے ہیں۔ تو میں نے کہا پھر تم کیوں پریشان ہو اللہ کی تو وہ بھی مخلوق تھی پھر بھی کریم ہے کہ چار تک تو اسے برداشت کیا اتنی ڈھیل دی کہ اس نے ایک قتل کر دیا اللہ نے اسے یہ گرفتار بھی نہیں ہوا کسی کو پتہ بھی نہیں دوسرا کیا' تیسرا کیا' چوتھا کیا اب دیکھو اللہ کی تو وہ بھی مخلوق ہے اگر یہ ہو گیا تو کیا فرق پڑا پھر تم کیوں روتی ہو۔ اب تم اللہ اللہ کرو۔

اور یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہتی ہے مجھے تکلیف تو ہوتی ہے میرا میاں تھا۔ ہم نے سات سال اکٹھے بسر کئے لیکن بات سمجھ میں آگئی ہے کہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے۔

تو اگر آدمی اپنا محاسبہ کرے تو یہ کردار پلٹتا ہے خود آدمی کے اوپر اور خدانخواستہ ہم اگر عملی زندگی میں پرواہ نہیں کریں گے تو اس کا اثر جو ہے وہ اس چیز' اس نعمت پہ بھی پلٹے گا۔ اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی چھن جائے اور اگر یہ چھن جائے تو پھر مصیبت بن جاتی ہے کہ جو دانہ ایک دفعہ نمو لے پھر اجڑ جائے تو پھر بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ تو قادر ہے چاہے تو اسے دس بار پیدا کرے لیکن اس کا قانون یہ ہے کہ وہ کرتا نہیں۔

تو اللہ کریم ہم پر یہ مہربانی فرمائے کہ ہمیں یہ احساس و شعور بخشے کہ ہم اپنا محاسبہ بھی کرتے رہیں۔ اپنی نافرمانی سے بچائے' اپنی محبت اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نصیب فرمائے اور جس قدر محنت ہو سکے آپ جتنی کوشش کریں گے۔ دیکھیں گے اللہ کریم ہماری کوششوں سے ہمیشہ زیادہ عطا فرماتا ہے بحمد اللہ یہ سلسلہ عالیہ جو ہے اس میں اتنی وسعت ہے کہ اگر آدمی کو ہزاروں بار بھی زندگی مل جائے پھر مجاہدہ کر کے آگے بڑھتا رہے تو اس کے لئے کوئی راستہ روکنے والا نہیں۔

ارشادِ ربّانی ہے کہ:

"اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو گا۔ (المائدہ: ۵۱)

مشکل ہے مسلماں رہنا

ارشاد رب جلیل ہے کہ لوگ ایک ہی جماعت تھے' ایک ہی طبقہ تھے' ایک ہی امت تھے' ایک ہی ملت پر تھے لیکن جب انہیں کچھ تھوڑا سا اختیار نصیب ہوا۔ وہ پھلے پھولے بڑھے' دنیا دیکھی۔ اپنے اپنے شعور سے اس کا اندازہ لگایا اس کو پرکھا تو ان میں رائے کا اختلاف بڑھتے بڑھتے نظریات کے اختلافات تک جا پہنچا اور وہ مختلف طبقوں میں فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

فرمایا : طے کر دیا ہے فیصلہ فرما دیا گیا تھا یہ پہلے کہ فلاں شخص کو اتنا وقت دنیا میں رہنے کا دیا جائے گا اور فلاں وقت تک عالم کو قائم رکھا جائے گا۔ فلاں وقت دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی قیامت قائم ہو گی۔ لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونگے اور حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے گا' اگر یہ طے شدہ بات نہ ہوتی تو اللہ قادر ہے۔ وہ یہاں بھی ان کے درمیان فیصلہ فرما دیتا اور پتہ چل جاتا کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے۔ لیکن اس دنیا میں اسے قیامت تک کے لئے موخر کر دیا گیا۔ لوگوں کو حق اور باطل کی پرکھ اور شعور اور نشانیاں بتا دی گئیں قرآن میں' سنت میں' تعلیمات الٰہی میں' تعلیمات نبوی میں۔ اب ہر آدمی کے ذمے ہے کہ وہ خود احساس کرے' وہ خود اندازہ لگائے' وہ خود اپنے آپ کو جانچے پرکھے' اپنی پڑتال کر کے خود کو تلاش کرے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ اور یہی انسانی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد ہے کہ وہ اپنی جانچ پرکھ کر کے' اپنی چھان پھٹک کر کے' صحیح مقام پر جو اس کے لئے اللہ نے بنایا ہے اور جو اللہ کو پسند ہے وہاں اپنے آپ کو لے جائے۔ اس میں یہ بات تو طے ہے۔ کہ ہر آدمی اختلاف تو کرتا ہے ہر آدمی کی اپنی رائے ہے۔ پھر جن لوگوں کو بنیادی طور پر اسلام کے دین برحق ہونے سے' قرآن کے اللہ کی کتاب ہونے سے' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے ہی اختلاف ہے ان کا' ان کی سوچ کا' ان کے ارادوں کا' ان کے کردار کا' مسلمانوں کے ساتھ اتفاق کیسے ممکن ہے۔ یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں۔

کہ جو خلیج میں جنگ لڑی گئی اس کے خاتمے پر بی بی سی کے تبصرہ نگار نے اپنے تبصرے میں سارا زور اس بات پر لگایا کہ اسلام دین برحق نہیں ہے۔ یہ بات خلیج کی جنگ کی ہے۔ اور تان آ کر ٹوٹتی ہے اس بات پر اور ان کا بات کرنے کا اپنا ایک انداز ہے۔ جسے ہر آدمی فیل (FEEL) نہیں کرتا۔ کہنا وہ خود چاہتے ہیں' کہنے کا انداز ان کا یہ ہے کہ دنیا کے مسلمانوں میں' یہ بے چینی پھیل گئی ہے کہ شاید ہمارا مذہب حق بھی ہے یا نہیں۔ یہ ایک انداز ہے ان کا بات کرنے کا۔

میں تو بنیادی طور پر اپنے ایک خاص شعبے کا استاد ہوں اور میرا کام اس شعبے کی تدریس کرنا ہے۔ نہ میں

سیاست دان ہوں۔ نہ میرا کوئی فوج سے تعلق ہے۔ نہ میرا ان معاملات میں کوئی تجربہ ہے۔ لیکن دنیا میں جو لوگ رہتے بستے ہیں انسانی معاشرے پر جو کچھ بیتتی ہے۔ اس میں سے ہو گزرتے ہیں اتنا شعور اللہ نے ہر ایک کو دیا ہے کہ وہ اسے محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد میرے بھائی اپنی اپنی زاویہ نگاہ ہے۔ کہ کون کس زاویئے سے اس بات کو دیکھتا ہے۔ اس میں کوئی دوسرے کا پابند نہیں ہے۔ لیکن جو میرا اپنا زاویہ نگاہ ہے جس اندازے سے میں بی بی سی کی اس بات کا جواب دے سکتا ہوں۔ وہ میں آپ تک ضرور پہنچانا چاہوں گا۔ اللہ کی توفیق سے۔ میں نے صبح کچھ تھوڑا سا اشارہ کیا تھا امریکہ کی فطرت کی طرف برطانیہ کی فطرت میں اس سے کچھ اختلاف نہیں ہے اگر کسی کو اس کی کوئی ایک جھلک دیکھنی ہو تو باقی ممالک تو چھوڑ دو۔ صرف دہلی کی فتح کو پڑھ لو۔ تین چار صفحے کسی بھی تاریخ کے جب دہلی پر قبضہ کیا تھا انگریز نے۔ تو دہلی پر کیا بیتی تھی۔ آپ ہلاکو کے مظالم بھول جائیں گے۔ درختوں کے ٹہنے کم پڑ گئے تھے اور لٹکانے کے لئے آدمی انگریزوں کے پاس زیادہ تھے' اور جو لٹکائے جاتے تھے انہیں کوئی اتارتا نہیں تھا۔ یہ انسانیت کی خیر خواہ قوم جو ہے جس انداز سے انہوں نے لوٹا تھا اس انداز سے تاتاری نہیں لوٹ سکے۔

اور ہماری بدنصیبی یہ ہوئی کہ مسلمان قیادت' ایک سرے سے دوسرے سرے تک' اپنی نجات' اپنی فلاح' اپنی کامیابی' انگریز بننے میں سمجھنے لگی۔ مغرب کی تہذیب اپنائی قیادت نے' مغرب کے انداز اپنائے اور مغرب کی تقلید اپنائی۔ حتیٰ کہ ہماری اونچی سوسائٹی کے جو لوگ ہیں یہ دین میں اگر ڈاکٹریٹ کرتے ہیں' پی۔ ایچ۔ ڈی کرتے ہیں تو وہ بھی یہودیوں سے جاکر' مغرب میں جاکر۔ ان کے استاد یہودی ہوتے ہیں۔ ان سے یہ اسلام سیکھتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو ایک بڑا خوبصورت جواب

OUR INDIAN MUSLIMS میں ایک انگریز مصنف نے دیا ہے۔ اسے کسی نے کہا تھا کہ تم نے کروڑوں اربوں روپے خرچ کر دیئے۔ عیسائی مشنریز پر اور تمہاری مشنریز نے ہندوستان میں مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑا سوائے اس کے کہ تم نے پورے برصغیر میں چند سو مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا ہو۔ اس کے علاوہ تم کچھ نہیں کر سکے۔ اس کا اس نے بڑا خوبصورت جواب دیا ہے۔ کہ مسلمان کو اگر ہماری مشنریز عیسائی نہیں بنا سکے۔ تو تم یہ بتاؤ کہ ان کو کس حد تک مسلمان رہنے دیا ہے۔ اگر مسلمان مسلمان نہیں رہے۔ تو ہمارا کام تو ہو گیا۔ خواہ عیسائی بنیں یا نہ بنیں۔ ہمارا مسئلہ تو حل ہو گیا اور ہماری مشنری اس میں بہت کامیاب رہی۔ اس مصیبت نے ہمیں ان کے پیچھے لگا دیا۔ اب بڑھتے بڑھتے نوبت اس جگہ پہنچ گئی تھی کہ عدی امین کو انہوں نے ایک ہفتے میں تباہ و برباد کر کے' ایک مسلمان ریاست ایک عیسائی کے سپرد کر دی۔ اور کسی نے اف تک نہیں کی۔ یہ جو کم و بیش ساٹھ کے قریب مسلمان ریاستیں ہیں۔ انہوں نے بڑی نیکی یہ کی کہ عدی امین کو رہنے کے لئے ایک کمرہ دے دیا۔ کہ تم یہاں رہ سکتے ہو۔ لیکن ہم مغرب کے طواف کے لئے جا رہے ہیں۔ کسی کو یہ احساس تک نہیں ہوا کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ شاید اس لئے کہ ان تمام مسلمان حکمرانوں میں سے صرف وہ اہل مغرب کی بات کا جواب دینے لگ گیا تھا۔ اگر وہ یہ قصور نہ کرتا تو اس کے سارے گناہ قابل گرفت نہیں تھے۔ مغرب کو اس پہ کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان کا اعتراض صرف یہ تھا کہ وہ انگریز سے' مغرب سے' انگریز کی تہذیب سے' نفرت کرنے لگ گیا تھا اور وہ اس کا اظہار بھی برملا کرنے لگا تھا۔

پانامہ میں ایک نہر ہے جسے امریکی حکومت استعمال کرتی ہے۔ جنرل نوریگا کو بنانے والا امریکہ ہی تھا۔ امریکہ نے نوریگا کو ڈرگز(DRUGS) کی تجارت میں استعمال کیا اور اس نے کھربوں ڈالرز کا ہیروئن افیون وغیرہ کا کاروبار کیا ساتھ ساتھ اس کی ترقی ہوتی گئی وہ جرنیل بن گیا اور پھر وہ ملک کا سربراہ بن گیا۔ اب اس سے ایک غلطی ہوئی امریکہ کا پانامہ کے ساتھ جو معاہدہ تھا وہ ختم ہونے والا تھا اور اس

نے یہ کہہ دیا کہ میں اس کی مزید توسیع نہیں کرونگا۔ پانامہ کی نہر ہماری ہے۔ اس کا فائدہ ہمارا ملک اٹھائے گا۔ یہ ملکی پراپرٹی ہے اور فائدہ امریکہ والے اٹھاتے ہیں تو جو معاہدہ بھی غلط تھا۔ جائیداد ہماری ہے فائدہ تم اٹھاتے ہو۔ اب ہمارا ملک خود فائدہ اٹھائے گا۔ یہ تھا اس کا قصور باوجود اس کے کہ وہ مسلمان نہیں تھا۔ لیکن جب وہ حکومت اس کے پاس آئی وہ اس کا سربراہ بنا تو اس میں اتنی غیرت ضرور پیدا ہوئی کہ اس ملک کا میں سربراہ ہوں۔ اس کے کچھ فائدے نقصان کا مجھے سوچنا چاہئے۔ امریکہ بہادر چڑھ دوڑے اور چند گھنٹے لگے پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ سربراہ مملکت کو گرفتار کیا' ہتھکڑیاں ڈالیں' بیڑیاں ڈالیں امریکہ لا کر عام قیدیوں کے ساتھ جیل میں بند کر دیا۔ اس کے سینے پر نمبر لگایا۔ ۲۶۳۰۲ اور اسے سپاہی پکڑ کر کورٹس میں گھسیٹتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ اس پر وہ مقدمات چل رہے ہیں جو امریکی حکومت نے اس سے کام کروائے وہ جو خرید و فروخت امریکی حکومت کے ساتھ مل کر ہوئی تھی۔ اس میں سے حکومت بچ گئی اور وہ مجرم قرار پایا اور وہ مقدمات چل رہے ہیں۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی؟ کہ کوئی بات ہے چھوٹا سہی' کمزور سہی۔ لیکن ایک ملک ہے۔ اس کا ایک سربراہ ہے۔ ایک سربراہ کو ایک فوج کے جرنیل کو آپ مرغی کے چوزے کی طرح دبوچ لیتے ہیں اور اس کا یہ حشر کرتے ہیں؟

آپ کی جو ریاستیں خلیج میں ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا کہ یہ کیسے بنیں؟ کیا یہ لوگ یہیں کے پیدائشی امیر تھے؟ اللہ نے قرآن میں یہ نازل کر دیا تھا کہ یہ یہاں حکمران رہیں گے نہیں۔ ایک بڈھا انگریز ہوا کرتا تھا بہت بدمعاش تھا۔ ایسا بدمعاش کہ ہٹلر جیسے عیار آدمی کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ ہٹلر لاکھ برا سہی لیکن اس نے برطانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس بوڑھے بدمعاش نے اس کو روس سے الجھا دیا اس طرح کہ ایک روسی پائلٹ کے فوٹو حاصل کئے جو مر چکا تھا اس حلئے کی ایک لاش حاصل کی بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس حلئے کے ایک آدمی کو لاش میں کنورٹ (Convert) کیا۔ یعنی اس حلئے کے ایک آدمی کو خریدا' اسے قتل کیا' اسے پائلٹ کی وردی پہنائی پھر اس میں وہ سارے کاغذات رکھے کہ برطانیہ اور روس کا معاہدہ ہو گیا ہے کہ ہٹلر برطانیہ کی طرف متوجہ ہے تو روس اس پر پیچھے سے حملہ کرے گا۔ پھر روسی لڑاکا جہازوں جیسا اپنے جہاز کو رنگ کیا پھر اس لاش کو اس میں لاد کر سمندر میں ایسی جگہ گرایا جہاں وہ لاش تیرتی ہوئی جرمنوں کے ہاتھ لگے۔ اس کے کپڑوں کے اندر سے موم جامے میں لپٹے ہوئے وہ کاغذ نکلے جو ہٹلر تک پہنچے۔ اتنی عیاری سے منصوبہ تیار کیا گیا کہ ہٹلر نے فوراً" روس پر حملہ کر دیا اگر وہ یہ دھوکا نہ کھاتا تو دنیا کی تاریخ مختلف ہوتی۔ وہاں سے جنگ عظیم کا پانسہ پلٹ گیا اور روس بھی شامل ہو گیا۔ روس کو بھی وہ گھسیٹتا گھسیٹتا سٹالن گراڈ تک لے گیا۔ لیکن اس بوڑھے بدمعاش کی چال کام کر گئی۔ اس بوڑھے بدمعاش نے جسے انگریز چرچل کہتے ہیں' منہ میں سگار دبا کر مڈل ایسٹ کی ریت پر اس نے انگلی سے لکیریں بنائی تھیں کہ یہ حکومت اس کو دے دو۔ اس کے باپ دادا نے بڑی وفا کی تھی اور وہ ریاست اس کو دے دو۔ یہ سارے حکمران وہ ہیں جنہیں جنگ عظیم کے بعد اس بوڑھے شیطان نے پکڑ پکڑ کر مسلط کر دیا' اس علاقے پر اور اسکی بندر بانٹ کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیل تو نکلا گلف میں' انقلاب آ گیا برطانیہ سے لیکر کینیڈا تک سارے مغربی ممالک میں۔ یہ بیسویں عیسوی صدی جو ہے اس کے آخری پچاس سالوں میں یہ سارے ملک بنے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں حیرت سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے پیرس میں بھی بگھی ہوا کرتی تھی اور مانٹریال میں بھی۔ میں نے ان بگھیوں کے پہیے پڑے ہوئے دیکھے ہیں جو آج سے تیس چالیس سال پہلے وہاں استعمال میں تھے۔ ابھی تک ان کے پہیے اور ڈھانچے وہاں پڑے ہیں اتنی پرانی بات نہیں ہے۔ کیوں حکمران ان کے گماشتے اور نوکر تھے۔ تیل کے

ٹھیکے ان کی کمپنیوں کو دیے گئے۔ تیل نکالا انہوں نے۔ اسے پراسس انہوں نے کیا۔ اسے دنیا میں بیچا انہوں نے اور اس کا کچھ فیصد ان حکمرانوں کو وانیلٹی دیتے رہے۔ حکمران بنتے رہے اور مغرب بنتا رہا اور باقی مسلمان پستے رہے۔ دولت مسلمانوں کی تھی اور کھربوں ڈالر برطانیہ' امریکہ' سوئیزلینڈ اور فرانس کے بنکوں میں چلے گئے۔ ان کا سارا معاشی نظام اس دولت پر استوار ہے جو مڈل ایسٹ کے تیل سے بنتی ہے۔

اس کے بعد انقلابات ہیں زمانے کے۔ یہ اللہ کی شان ہے کس آدمی سے کیا کام لے لیتا ہے۔ میری کوئی صدام سے واقفیت بھی نہیں ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے میں آج تک کبھی عراق گیا بھی نہیں ہوں۔ بعث پارٹی سوشلسٹ پارٹی ہے۔ جس کا وہ سربراہ ہے کوئی مذہبی جماعت نہیں ہے لادینی جماعت ہے۔ لیکن میرے نقطہ نگاہ سے اس شخص کو دو کاموں کی توفیق اللہ نے بہت دی ہم یہاں بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو بھی حکومت میں آیا ہے اس غریب کو دفتر میں بیٹھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ آئے دن جہاز تیار کھڑا ہوتا ہے اور ساٹھ ستر آدمی ساتھ ہوتے ہیں کہ یہ ملک سے باہر جا رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے حکمرانوں کا آفس ورک کوئی ہے ہی نہیں۔ دفتری کام ہے ہی نہیں۔ ملک میں کچھ کرنے کو بھی نہیں۔ اس شخص کو بیسواں سال اقتدار کا جا رہا ہے اس نے کسی پڑوسی ملک کا دورہ بھی نہیں کیا۔ عراق دنیا کا کمزور ترین ملک تھا یعنی عراق ایسا ملک تھا۔ پاکستان میں لوگ پیسے چھینتے ہیں یا موٹر چھینتے ہیں یا آدمی اغوا کر لیتے ہیں۔ وہاں لوگ حکومت چھین لیتے تھے جس کی آنکھ سویرے پہلے کھل گئی وہ دوسرے سے حکومت چھین لیتا تھا۔ ہفتوں میں حکومتیں بدلتی تھیں۔ اس شخص نے اس قوم کو اس ذلت سے اٹھایا اور ان بلندیوں پر لے گیا جو آج دی گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ہے کہ عراق کا کسٹم کا سپاہی جو باڈر پر کھڑا ہے وہ بھی رشوت نہیں لیتا۔ یہ ۱۹۹۰ کی گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ پر ہے دنیا کو ماننا پڑا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس شخص نے اپنے ملک میں وہ کچھ بنایا کہ ساری دنیا کی جاسوسی کرنے والے امریکہ بہادر کو' برطانیہ انٹیلی جنس کو آج تک بھی پتہ نہیں چل سکا کہ ہم کیا کرتے رہے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ کیا کرتا رہا ہے۔ ہم نے بمباری کہاں کی ہے اور وہ رہتا کہاں پر ہے۔ ایک شام یہ اعلان ہوتا تھا کہ اس کا سارا میزائل سسٹم ہم نے تباہ کر دیا تو آدھے گھنٹے بعد وہ دو تین میزائل فائر کر دیتا تھا اسرائیل پر بھی اور ان کی چھاؤنیوں پر بھی۔ اسے اللہ کریم نے یہ ہمت دی کہ روس کی تباہی کے بعد اب امریکی صدر یہ سوچ رہا ہے کہ پوری دنیا کو ایک ایسا نظام دیا جائے جس میں امریکہ منصف اور جج ہو اور ساری دنیا پہ حکومت کرے۔ نیا عالمی نظام دینے کی بش صاحب سوچ رہے تھے یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ روئے زمین پر کوئی بندہ اٹھ کر ہمیں بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تمہاری بات نہیں سنتا۔ اس اللہ کے بندے نے یہ ثابت کر دیا کہ سپر طاقت صرف اللہ کی ہے۔ تمہاری نہیں ہے۔ یہ ثابت کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ایک چھوٹے سے ملک نے انہیں ناکوں چنے چبوا دیئے اور آج جب لوگ واپس جائیں گے تو پتہ چلے گا کہ ان کے کتنے مرے' یہ بھی پتہ چلے گا کہ ان کا خرچ کتنا ہوا اور ان کا اکنامکس سسٹم جو ہے کتنا مجروح ہوتا ہے باوجود اس کے صدام نے انٹرویو دیتے ہوئے کتنا خوبصورت جملہ کہا "تم کو ابھی تک یہ غلط فہمی ہے کہ تم سپر پاور ہو۔ جب جاپان سے لیکر چین تک تم کاسہ گدائی لئے پھر رہے ہو۔ مانگنے والے گداگر بھی سپر پاور ہوتے ہیں۔" اس نے کہا "ہم تو مر رہے ہیں لیکن ہم نے تمہیں کاسہ گدائی پکڑوا دیا ہے۔ تمہیں ابھی تک یہ غلط فہمی ہے کہ تم سپر پاور ہو۔"

اب یہ جو امریکہ کا بھیڑیا بیٹھ کر اپنے زخم چاٹے گا تو کسی دوسرے کو کاٹنے سے پہلے اب یہ دس بار سوچے گا کہ جس طرف منہ کھول رہا ہوں کہیں کوئی دانت توڑنے والا نہ نکل آئے۔ اس خلیج اور گلف وار سے پہلے امریکہ یہ سوچنے

کو تیار نہیں تھا کہ میرے دانت بھی کوئی کھٹے کر سکتا ہے اور یہ جرات رندانہ اسے صرف اللہ کے نام سے ملی۔ اسلام کے ناطے، مسلمان ہونے کی وجہ سے اور اسے اس پر فخر ہے۔ اس نے خود اول و آخر یہی کہا ہے کہ مجھے میرے اللہ نے یہ توفیق دی ہے کہ میں کم از کم تمہیں یہ احساس دلا سکوں کہ سپر طاقت اللہ کی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ عرب دنیا کو عرب کے عام شہری کو جنہیں حکمرانوں نے بڑا خوش کر رکھا تھا کہ تمہارے پاس گاڑیاں ہیں، کاریں ہیں۔ تمہیں ہم نے چمکدار مکان بنا دیئے ہیں تم بڑی عیش کرتے ہو۔ انہیں اب یہ احساس ہوا جب کھربوں ڈالر کے چیک ایک ایک حکمران نے فرانس، امریکہ، برطانیہ کو دیئے انہیں اب یہ احساس ہوا ہے کہ ان حکمرانوں نے کتنا لوٹا ہے۔ عربوں کو انہوں نے کھلونوں سے بہلا رکھا تھا۔ پبلک کو کچھ نہیں مل رہا تھا۔ ایک فرد واحد جو کنگ بن کر بیٹھا تھا۔ وہ کھربوں ڈالر امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے بینکوں میں بھیج رہا تھا۔ عام آدمی یہی جانتا تھا ہمارا بادشاہ بہت اچھا ہے۔ اس نے سڑک بنا دی، اس نے ہر چیز کے نرخ مقرر کر دیئے ہماری گاڑیوں پہ ٹیکس کم لگتا ہے۔ اب یہ انہیں احساس ہوا کہ ہمیں اگر دو کاریں ملی ہیں تو ان کے پاس تو اتنا کچھ ہے کہ ابھی تک یہ حکومت فرانس اور برطانیہ اور امریکہ کو خرید سکتے ہیں۔ اس کی ساری فوج کو پال سکتے ہیں جنہیں وہ خود گھر میں نہیں چلا سکتے۔ اتنی دولت ایک ایک آدمی کے پاس ہے اور جو سارے کی ساری انہی کے بینکوں میں ہے۔ یہ احساس عربوں کو صدام حسین نے مار کھا کر دیا ہے۔ کہ دیکھو انہوں نے کتنا چھپا رکھا ہے۔ زبانی کہتا تو کوئی نہیں مانتا تھا آج ہر آدمی یہ حساب کرتا ہے کہ ان بدمعاشوں نے کتنی کتنی دولت وہاں رکھی ہوئی ہے۔ یہ مسلمان ممالک کی دولت مسلمانوں کے کام نہیں آ سکتی تھی۔ ان کا اس میں کیا حرج ہے دس فیصد سود ملتا ہے وہ دیتے ہیں۔ یہ باقی ساری دولت تو یہ خود استعمال کرتے ہیں۔ دو باتیں ہو گئیں۔ تیسری بات ایک اور بڑی عجیب ہوئی۔ چیک تو گئے امیر کویت کے شاہ فہد سلطان زید بن نہیان کے لیکن انہوں نے گھر سے سونا یا زیور یا پیسہ تو نہیں دیا۔ پیسہ تو امریکہ اور برطانیہ کے ہی بنکوں میں تھا۔ ان کے حساب سے ہی گیا جو بارود جلا ہے وہ دولت وہی جلی ہے جس پر وہ عیش کر رہے تھے پوری مغربی دنیا کا اکنامکس سسٹم یہاں اسے سیٹ بیک ملے گا۔ پوری مغربی دنیا کا جتنا اکنامکس سسٹم ہے جتنا معاشی نظام ہے ایک دفعہ اس نے تباہ کر کے رکھ دیا۔ مار تو اس نے بہت کھائی لیکن اس نے کم قیمت پر نہیں کھائی ہے۔ پوری دنیا میں کوئی دوسرا مسلمان یہ کام کر سکتا ہے؟ ہمارے حکمران ہیں تو وہاں سے خیرات کے منتظر رہتے ہیں جنہوں نے آج تک ملکی وسائل کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور جن کی سوچ کا انداز یہ ہے کہ ہم سعودی عرب کی حمایت کریں گے کہ وہ ہمیں خیرات دیتا ہے۔ عراق نے آج تک ہمیں پیسہ نہیں دیا۔ ہم اس کی مدد نہیں کریں گے۔ یہ اسلامی سوچ ہے؟ یہ مسلمان حکومت کی شان ہے اور یہ حکمرانی کا انداز ہے یعنی آپ پیسے پر بکیں گے خواہ آپ کو ہندو خرید لے۔ یہودی خرید لے۔ عیسائی خرید لے۔ تو آپ مارکیٹ کا بکاؤ مال ہیں۔ آپ اور آپ کی طاقت بھی، تو کہاں گیا وہ دعویٰ مسلمانی اور وہ اللہ اور وہ اسلام اور وہ عظمت رسالت اور وہ سارا کچھ کہاں گیا؟ تمام مولویوں کو اب جائز نظر آگیا سر زمین عرب پر یہودیوں کا خنزیر کھانا اور شراب پینا اور بدکاری کرنا اس کا جواز کہاں ہے؟

چوتھی بات، گلف میں امریکہ اپنی پکی چھاؤنی بنا رہا تھا کہ تیل پر مسلط ہو کر بیٹھ جائے۔ اب امریکہ کی فوج وہاں نہیں رہ سکتی۔ اب پوری دنیا کے حالات میں اتنی تبدیلی آ گئی ہے کہ آج ہی ساری دنیا کہنے لگ گئی ہے کہ جنگ اب ختم ہو گئی ہے اپنی فوجیں واپس لے جاؤ۔ آگیا نا یہ نتیجہ کون تھا جو یہ کام کرتا۔ جب امیر کویت نے خود اپنا ملک ان کے سپرد کر دیا تھا نوے سال لیز پر جیسے کشمیر بیچا تھا انگریزوں نے ہری چند کے ہاتھوں لیکن اب نہ وہ لیز پر دے سکتا

ہے اور نہ وہاں امریکہ چھاؤنی بنا سکتا ہے۔

اس سے بڑھ کر نتیجہ یہ ہو گا کہ اب یہ ساری شہنشاہتیں خطرے میں پڑ گئی ہیں اور عام آدمی یہ سوچنے لگ گیا ہے کہ اگر مل جل کر حکومت کا ایک شورائی نظام بنایا جائے تو وہ لوگ اس ملک کی دولت کو ملک پر خرچ کریں گے۔ ایک شخص کی ذاتی حکومت ہے وہ ساری دولت سمیٹ کر امریکہ برطانیہ لے جاتا ہے۔

اتنے سارے نتائج حاصل کر لے۔ ایک چھوٹا سا ملک' ایک چھوٹی سی حکومت اور ایک چھوٹی سی ریاست جب کہ امریکہ کی یہ پوزیشن ہے کہ پوری دنیا میں کوئی اس کے خلاف منہ کھولنے کی جرات نہیں کرتا۔ جس طرف جی چاہے چڑھ دوڑے اور اس امریکہ کے ساتھ برطانیہ اور فرانس تین سپر پاورز مل گئیں اور ان تین کے ساتھ ستائیس ممالک اور تھے۔ آپ کے سمیت تیس حکومتوں نے سارا زور لگایا ڈیڑھ دو مہینے تک ان کا مقابلہ کرتا رہا۔ جب کہ ہر ڈیڑھ منٹ میں ایک ایئر ریڈ ہوتا رہا ہے۔

اس سب کے باوجود اگر بی بی سی کو ناز ہے کہ مسلمان کمزور ہیں یا مسلمانوں کو اسلام پر شک ہو گیا ہے تو اسے سوچنا چاہئے کہ جو میزائل انہوں نے پھینکے تھے جن پر لکھا تھا کہ صدام اب تمہارا خدا تمہاری بات نہیں سنتا۔ یسوع مسیح کو پکارو ہر بم پر اس سے بھی زیادہ شدید تر عبارت لکھی ہوئی تھیں۔ اس سب دباؤ سے گذرنے کے باوجود بحمداللہ وہ شخص سلامت ہے اور اپنے ملک کو ان سے پہلے پھر بنا لے گا۔ جتنا کچھ ان کا بگاڑا ہے اتنا اس کا نہیں بگڑا اور جنگ بندی کے پندرہ منٹ نہیں گذرے تھے کہ اسرائیل چیخ پڑا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا یہ تو پھر ویسا ہی ہے۔ اس کا ملک ویسا ہی ہے' یہ شخص ویسا ہی ہے' یہ ہمیں نہیں چھوڑے گا۔

اگلی بات جو مجھے نظر آ رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ اب ان کی مجبوری بن گئی ہے۔ کہ فلسطینیوں کو وہ ایک ریاست بنا کر دیں۔ اسرائیل اور فلسطین کا جھگڑا اب ان مغربی طاقتوں کی مجبوری بن گئی ہے کہ اسے نپٹائیں ورنہ پھر ایک گلف وار لڑنا پڑے گی۔ بھئی اتنی ساری باتیں جو شخص منوا لے اسے پھر کوئی کہتا ہے کہ شکست ہو گئی ہے۔ اسلام سے ہم گھبرا گئے ہیں۔ اسلام مذہب نہیں اس سے زیادہ وہ کیا کرتا۔

ہمارے جو شکست کہنے والے ہیں ان سے مجھے تعجب اس لئے نہیں ہوتا کہ یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو بھی احد میں شکست سے دوچار کر دیتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ساری تاریخ دیکھیں' آپ اپنا دینی لٹریچر دیکھ لیجئے۔ ہمارے علماء نے بھی یہ جھگڑ اڑایا ہے' احد میں ہوا کیا تھا ایک ناکے پر تیر انداز متعین فرمائے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے۔ جب اہل مکہ بھاگنے لگے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہماری ڈیوٹی ختم ہو گئی' جنگ ختم ہو گئی۔ مکہ والے بھاگ گئے کچھ نے کہا نہیں ہم حکم ثانی تک پابند ہیں۔ دوسروں نے کہا بھئی لڑائی ختم ہو گئی تو پھر ہم کیوں نہ بھاگتے ہوؤں کا پیچھا کریں۔ وہ اس گوشہ جہاد میں خالی ہاتھ کھڑا ہونے کے بجائے لپک کر کافروں کے پیچھے لگ گئے۔ کفار نے پلٹ کر وہ ناکہ خالی دیکھا تو حضرت خالد جو ابھی اس طرف تھے نے خچر سوار لے کر حملہ کر دیا جس میں مسلمان شہید ہو گئے۔ لیکن فتح مکہ والوں کو پھر بھی نہ ہوئی' حملہ انہوں نے طوفانی انداز میں کیا۔ جب مسلمان سنبھلے تو مکہ والے بھاگے اور تین منزلوں تک مسلمان ان کا تعاقب کرتے چلے گئے۔ یہ تاریخ کا حصہ ہے اگرچہ اتنے زخمی تھے کہ کچھ دور ایک آدمی دوسرے کے کندھے کا سہارا لے کر چلتا تھا پھر وہ کہتا تھا اب میری طاقت ختم ہو رہی ہے۔ اب تم مجھے سہارا دو' پھر وہ اس کا سہارا لیتا تھا۔ اس کے باوجود تین منزلوں تک بھاگنے والوں کا تعاقب کیا اور کئی دن اس میدان جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ زن رہے شہداء کو وہیں دفن کیا اور تیسرے یا چوتھے دن مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔ جو لشکر سالار لشکر سمیت تین دن میدان جنگ میں خیمہ زن رہا

انہیں کہتے ہیں شکست ہو گئی اور جسے تین منزلوں تک وہ بھگا کر لے گئے۔ کہتے ہیں اسے فتح ہو گئی۔ اگر فتح و شکست کا یہی انداز ہے۔ ہمارے ان دانشوروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو نہیں بخشا تو اگر یہ کہہ دیں صدام کو شکست ہو گئی۔ تو کون سی بڑی بات ہے صدام کس باغ کی مولی ہے۔

لیکن جتنے فوائد اس نے حاصل کئے چھ سات تو آپ کو گنوائے ہیں۔ اس سے زیادہ جو دیکھنے سے نظر نہیں آتے لیکن جن کے ظاہر ہونے میں تھوڑا سا وقت لگے گا۔ کچھ تھوڑی سی دیر لگے گی یہ میں نے وہ گنوائے ہیں جو فوری ہیں' جو ابھی ظہور پذیر ہو رہے ہیں' جو ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے پیچھے بھی کچھ نتائج ہیں جو کچھ وقت کے بعد سامنے آ جائیں گے اور میں تو کہتا ہوں اللہ کا یہ احسان ہے' شکر ہے کہ ایک آدمی تو امت مسلمہ میں ایسا تھا جس نے یہ تو ثابت کر دیا کہ ساری دنیا کے یہودی اور عیسائی جمع ہو جائیں تو مسلمان مقابلے میں کھڑا رہ سکتا ہے۔

اخبار میں ایک بیان پڑھا اس وقت کے چیف منسٹر صاحب کا کہ بڑا ظلم ہو رہا ہے مسلمانوں پر اور عراق میں امریکہ والے بڑے ظلم کر رہے ہیں لیکن ہم امریکہ سے لڑ تو نہیں سکتے تو جناب آپ تو نہیں لڑ سکتے لیکن وہ شخص تو لڑ گیا۔ آپ نے فوجوں کو حملہ آور ہوتے دیکھا' لشکروں کو فتح کرتے دیکھا لیکن کسی لشکر کا نرغے سے نکل جانا فتح کرنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس شخص نے دو دنوں میں پانچ لاکھ فوج کویت سے نکال لی۔ کتنی عجیب بات ہے جسے آپ شکست کہتے ہیں آپ جنگوں کی تاریخ میں کسی جرنیل سے پوچھیں یہ مشکل ترین کام ہے کہ چاروں طرف سے گھری ہوئی فوج کو ایئر سپرمیسی اور کیمیائی ہتھیار کا اندھا ترین استعمال نپام کی کارپیٹ بمبنگ کی صورت میں اڑتالیس گھنٹے میں ان کے درمیان سے نکال لیا جائے۔ میرے خیال میں یہ کسی بھی جنگ کا ریکارڈ نہیں ہے۔ انہوں نے تو سمجھا تھا کہ یہ سارے ہم کھا جائیں گے لیکن وہ نکل گئے اور اڑتالیس گھنٹے میں نکل گئے اور انہیں بتا کر نکل گئے۔ اس نے علی الاعلان کہا میری فوج اب نکل رہی ہے اور کل تک ہم انخلا پورا کر لیں گے اور وہ کر لیا۔

یہ شکست نہیں ہے یہ بہت بڑی فتح ہے جیسا کہ صدام نے اپنی تقریر میں کہا "میں اس سے متفق ہوں آپ کو اپنی رائے رکھنے کا حق حاصل ہے۔" تو یہ ایسا دینی مسئلہ نہیں ہے جس پر وحی نازل ہوئی ہے اپنا اپنا انداز ہے دیکھنے کا۔ میں اس سے متفق ہوں کہ وہ شخص فاتح ہے ان تمیں ملکوں کا۔ اب یہ تو اس کے لئے ممکن نہیں تھا عراق سے اڑ کر نیویارک پہ قبضہ کر لیتا یا پیرس پہ قبضہ کر لیتا یا لندن پہ لیکن ان کے دانتوں کو اس نے اس طرح توڑا ہے کہ دیر تک کسی اور کو کاٹنے کے لئے نہیں دوڑیں گے بڑی دیر تک یہ بیٹھ کر اپنے جبڑے سہلائیں گے اور انہیں ٹکور کریں گے اور اپنے جبڑے درست کریں گے کسی کو کاٹنے سے پہلے دس بار سوچیں گے۔ وہ بش جس نے بڑی تیزی سے پانچویں دن وہاں فوجیں اتار دیں۔ پانچ سال سوچے گا کہ میں کسی ملک میں فوج بھیجوں یا نہ بھیجوں۔ جو ایک گھنٹے میں پانامہ کو فتح کر بیٹھا اب کسی نئے پانامہ کی طرف جانے سے پہلے سو بار سوچے گا کہ وہاں کوئی صدام تو نہیں رہتا۔ اسے آپ شکست کہتے ہیں اس پر بی بی سی ناز کرتا ہے کیا کمال کیا تم نے۔ اگر تمیں مسلمان ملک اس کے ساتھ بھی مل جاتے اللہ کی قسم تمہیں نیو یارک اور واشنگٹن میں بھی پناہ نہ ملتی افسوس تو یہ ہے کہ تم عیسائی تمیں مل گئے اور مسلمان اگر کسی نے حصہ جنگ میں لیا تو اس نے بھی تمہاری حمایت کی اور اس پر حملہ آور ہی ہوا۔ کاش ایک مسلمان کے ساتھ وہ گنہگار سہی' وہ برا سہی کافر تو نہیں ہے۔ مسلمان گنہگار بھی ہو کافر سے تو بھلا ہوتا ہے اور اسے برا کہتے ہو تم امریکہ سے مانگتے ہو' وہ اللہ سے مانگتا ہے۔ تم نیک ہو' وہ برا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے اس سارے پریشر میں سوائے اللہ کے اس نے کسی سے نہیں مانگا۔ میں تو بھائی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے کسی کو ایک

جرات رندانہ بخشی اور کم از کم یہ امیج دے دیا دنیا کو کہ ساری عیسائی سلطنتیں ایک طرف ہو جائیں تو بھی ان کی مخالفت کی جاسکتی ہے یہ ناممکن نہیں ہے جو کہ پوری دنیا مان چکی تھی کہ یہ ناممکن ہے اس نے ممکن کر دکھایا اور اس نے بالکل سچ کہا کہ میں جو کرنا چاہتا تھا وہ میں کر گزرا ہوں اور ہم فاتح ہیں جو مقاصد ہمارے تھے وہ ہم نے حاصل کر لئے۔

تو یہ اپنے اپنے سوچنے کا انداز ہے میرے سامنے یہاں کسی نے بات کی تھی۔ ایک ساتھی نے عراقیوں کے مرنے پر کہ بہت لوگ مر رہے ہیں۔ میں نے کہا بھئی لوگ تو پیدا ہی مرنے کے لئے ہوتے ہیں لیکن خوش نصیب ہیں وہ جو کسی مقصد پہ مر رہے ہیں تم ان مرنے والوں کو کیوں نہیں روتے جو سندھ میں' کراچی میں' قتل ہو گئے' حیدر آباد میں قتل ہو گئے' لاہور میں قتل ہو گئے پشاور کے دھماکوں میں اڑ گئے' راستے کی ڈکیتیوں کی نذر ہو گئے۔ تم اپنے ایک سال کا اندازہ کرو۔ عراق کے نقصان سے تمہارے پاکستان میں زیادہ لوگ نقصان ہوئے۔ اتنے اس جنگ میں وہ نہیں مارے گئے جتنے تم یہاں امن میں مارے گئے ہو تمہاری موت کس کھاتے میں تمہارا خون کس کی گردن پر۔ وہ تو ایک کاز پر مر رہے ہیں۔

LET HIM DIE ON A CAUSE

جو کسی ایک مقصد پہ جان دیتا ہے وہ تو خوش نصیب ہے جان دے دے۔ اس جان نے تو جانا ہے۔ آدمی تو ایک مچھر کے کاٹنے سے مرجاتا ہے' ایک دن کے ملیریا بخار سے مر جاتا ہے' دو دن کی ڈائی سنٹری سے مرجاتا ہے' ایک پٹاخے سے مرجاتا ہے' ایک پتھر مارنے سے مرجاتا ہے۔ اس کا نرا مرجانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا مرکر بھی کسی کام آجائے اہمیت تو یہ ہے کم از کم اس نے کفار کو احساس تو دلا دیا کہ تمہارا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور ابھی گئے گذرے مسلمانوں میں ایسے لوگ ہیں جو تمہارے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں اور یہ جو اسرائیل ناقابل تسخیر کہلاتا تھا اب دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہا ہے کہ یہ زندہ ہے تو مجھے پھر مارے گا۔ شاہ فہد سے تو نہیں ڈرتا' مصر سے تو نہیں ڈر رہا' آپ کے امیر کویت الصباح سے تو نہیں ڈر رہا لیکن کسی ایک مرد فقیر سے ڈر تو رہا ہے۔ ارے یار کسی کے حق پر ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ یہودی اس کے خلاف ہیں میں تو سادہ سی دلیل کا قائل ہوں کہ یہودی جس کی مخالفت کرتا ہے وہ حق پر ہے اور یہودی جس کے ساتھ دوستی کرتا ہے وہ باطل پر ہے وہ کبھی حق پر نہیں ہو سکتا۔ جس کو یہودی دوست سمجھتا ہے وہ حق پر نہیں ہے اور جس کو یہودی مخالف سمجھتا ہے یقیناً" حق پر ہے۔ تو یہودیوں کا باطل ہونا تو اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے تا کم از کم کافر لمبی تان کر تو نہیں سوتا اگر کوئی مر کر بھی کفر کو برقرار کر سکے تو وہ مر کر بھی جیت گیا اور ہم زندہ رہ کر بھی ان کے پاؤں دبا رہے ہیں۔ ہمارا زندہ رہنا بھی کس کام کا ہے شکست تو ہم کھا رہے ہیں۔ ہم اسے کہتے ہیں شکست ہو گئی ہے وہ تو فاتح ہے شکست تو ہم کھا بیٹھے ہیں کہ ہماری زندگی ان کے کام آ رہی ہے ان کے پاؤں دبا کر زندہ رہ رہے ہیں۔

ملک پاکستان کا ہے' وسائل پاکستان کے ہیں' ذرائع پاکستان کے ہیں۔ حکومت امریکہ کی ہوتی ہے چاہتا ہے تو ایک کو آگے کر دیتا ہے چاہتا ہے تو دوسرے کو۔

یہ اپنے اپنے سوچنے کا انداز ہے ہم تو بہرحال ہر اس پتھر کی حمایت کریں گے جو یہودی پر پھینکا جاتا ہے اور ہر اس چیونٹی کو بھی شکر ڈالیں گے جو کافروں کو کاٹتی ہے۔ ہمیں وہ مسلمان پسند نہیں ہے جو کافروں کی آسائش کا سامان کرتے ہیں اور ان کے بل بوتے پہ زندہ رہنے کی امید رکھتے ہیں۔ یہ اپنی اپنی سوچ کا انداز ہے میری رائے میں تو اللہ نے اگر قیامت کا دن مقرر نہ کر دیا ہوتا تو جو ظلم ان کافروں نے نہتے مسلمانوں پر کیا ہے اللہ کی گرفت وہیں پر اس کا انہیں سبق چکھا دیتی لیکن تھوڑی سی فرصت ہے اور یہ بھی یاد رکھو خون مسلم رائیگاں نہیں جائے گا اس کے نتائج کچھ دیر بعد نکلیں۔

اب دیکھو ان کی دیانت داری دیکھو یہ اپنے ریڈیو پروگراموں پر لڑ رہے ہیں۔ بی بی سی والا پیٹ رہا تھا کہ فرانس کا سارا خرچہ امیر کویت نے ادا کر دیا۔ ہمارا جان میجر بڑا بیک ورڈ ثابت ہوا اسے تھوڑے پیسے ملے ہیں۔ امریکہ نے بھی زیادہ لے لئے' فرانس نے بھی زیادہ لے لئے اور آپ یہ نہیں سوچتے کہ یہ امیر کویت نے اتنے پیسے کہاں سے لئے یہاں سے جو مزدوری وہاں کرنے جاتا ہے اسے تو اتنے بھی نہیں دیتے کہ وہ دو وقت آرام سے روٹی کھا سکے وہ بھوکا رہ کر پیسے بچا کر گھر بھیجتا ہے۔ یہاں خواہ آپ عیاشی کرتے رہیں وہاں کے مزدور کو میں نے وہاں جا کر دیکھا۔ وہ کپڑے نہیں پہنتا' جوتا نہیں پہنتا' روٹی صحیح نہیں کھاتا تب وہ درہم اور دینار اور ریال بچا کر یہاں بھیجتا ہے اور فرانس کی ساری لڑائی کا خرچہ ایک آدمی دے رہا ہے۔ تو کمال ہے یار اس کا کچھ بھی نہیں بگڑتا کتنی دولت اس ایک آدمی نے جمع کی کیا یہ سارے مسلمانوں کا کم از کم اس ملک کے رہنے والوں کا بھی حق نہیں تھا یہ ان لوگوں کا حق نہیں تھا جو غریب یہاں سے جا کر وہاں مزدوریاں کرتے ہیں۔

پاکستانی جو جا کر کرتا ہے ملازمت ابوظہبی میں' اسے تین سو ریال ماہوار دیئے جاتے ہیں اور امریکہ کا ایک سپاہی جو ابوظہبی میں کھانا کھاتا تھا تین سو چالیس ریال اس ہوٹل کو ایک دن صبح و شام کے کھانے کے دیئے جاتے تھے۔ تنخواہ کو چھوڑ دو آپ کے ایک مہینے کی اجرت تین سو چالیس درہم پھر آپ کہتے ہیں یہ فتح کر گیا وہ شکست کھا گیا۔ اس نے تو کم از کم ان ساروں کو بے نقاب تو کر دیا ہے اور کون کتنے پانی میں ہے یہ تو اس نے دانہ اور بھوسا الگ کر دیا اب یہ نتائج تو تھوڑا وقت لے کر نکلیں گے لیکن یہ یاد رکھ لینا اب لوگ ان شہنشاہوں کے دیئے ہوئے لقمے پر مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ اپنے ملک کی دولت سے اپنا حصہ مانگیں گے۔ اس نے یہ شعور دے دیا ہے ہر آدمی کو اور اللہ کریم مسلمانوں کو ایسے مجاہدین سے سرفراز فرمائے اور اللہ کرے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہر اسلامی ملک کا سربراہ ایسا ہی جری ہونا چاہئے' ایسا ہی دیندار ہونا چاہئے' ایسا ہی دیانت دار ہونا چاہئے۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔

اویس المصطفیٰ اویس

کوئی پڑاؤ نہ اب کے نظر میں رکھا جائے
بس اپنے آپ کو ہر دم سفر میں رکھا جائے

عجب نہیں کہ ہمیں بھی نظر میں رکھا جائے
تمہارے عشق کا سودا جو سر میں رکھا جائے

سمیٹ کر دل صد چاک کا ہر اک ٹکڑا
مثال شمع تری رہ گذر میں رکھا جائے

جو شب کی سوچ بدل کر غموں کو ختم کرے
کچھ ایسا درد بھی اب کے سحر میں رکھا جائے

یہی نہیں کہ نظر کو حصار کر آئیں
درون ذات بھی اس کی خبر میں رکھا جائے

سخن سجائے گی اک دن نوید رحمت بھی
اسی یقین کو اپنے ہنر میں رکھا جائے

صنعت الٰہی سے عبرت حاصل نہ کرنے والی آنکھ کا اندھا ہی ہونا بہتر ہے اور جو زبان اللہ کے ذکر سے عاری ہو اس کا گنگ ہونا بہتر ہے۔ اور جو کان حق کی بات سننے سے قاصر ہو اس کا بہرہ ہونا اچھا ہے اور جو جسم عبادت سے محروم ہو اس کا مُردہ ہو جانا افضل ہے۔

(حضرت جنید بغدادیؒ)

ملاقات

امیر تنظیم الاخوان مولانا محمد اکرم اعوان سے مجیب الرحمٰن شامی کی

لمبے تڑنگے، اونچے، سجیلے مولانا محمد اکرم اعوان، معروف معنوں میں "مولوی" نہیں ہیں۔ وہ تنظیم الاخوان کے امیر ہیں ور سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ --- اپنی بات کہنے کا ایک خاص سلیقہ انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ وہ آسان الفاظ میں اپنا موقف بیان کرتے اور اسے مخاطب کے دل اور ذہن میں اتارتے چلے جاتے ہیں۔ ہماری قومی زندگی میں ان کی آواز ایک نرالی آن بان رکھتی ہے۔ ان کے گرد لوگ جمع ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا حلقہ اثر پھیلتا جا رہا ہے۔ ان کے ہاں باقاعدگی سے "اللہ ہو" کا ترانہ بھی گونجتا ہے اور قومی مسائل پر سوچ بچار کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

ایک لا ابالی اور روایتی جھگڑالو اعوان نوجوان سے حضرت اور شیخ بننے تک وہ کئی مرحلوں سے گزرے ہیں۔ ان کی اپنی زندگی ایک روشن اور کھلی ہوئی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے ہے۔ ان سے مل کر خوشی ہوئی اور ان کی باتیں سن کر کچھ کرنے کا عزم جواں ہوتا ہے۔ وہ گذشتہ دنوں لاہور تشریف لائے تو کرنل مطلوب صاحب کی رہائش گاہ پر ان سے طویل نشست رہی۔ عزیزم عمر مجیب انہیں اپنے کیمرے میں محفوظ کرتے رہے اور میں ان کی باتوں کو جذب کرتا رہا ---- اس ملاقات کا حاصل آپ کے سامنے ہے۔

سوال۔ حضرت، گزارش یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کئی سیاسی اور مذہبی جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ تصوف کے سلسلے میں بھی اپنا کردار ادا کرنے کے دعویدار ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں آپ کو ایک نئی تنظیم بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، آپ اسے دوسری جماعتوں سے مختلف کس طرح قرار دیتے ہیں؟

جواب۔ مجیب بھائی، آپ کا سوال بڑا اہم ہے لیکن جو شخص ہمارے کام سے واقف ہے اور ہمارے انداز و طریق کار پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہم نے "تنظیم الاخوان" کیوں قائم کی۔ اس وقت جو دینی گروہ یا جماعتیں کام میں مصروف ہیں، ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو موجودہ سیاسی نظام کا حصہ ہیں اور اپنے مذہبی تشخص اور نام پر اصرار کرتے ہوئے بھی ایک خالص سیاسی جماعت کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ انتخابات

میں حصہ لیتی ہیں، اسمبلیوں میں بھی ان کا کوئی نہ کوئی امیدوار جا پہنچتا ہے اور وہ کسی نہ کسی رنگ میں اس نظام سے فیض یاب ہو رہی ہیں۔ دوسری طرف وہ دینی مدارس، جماعتیں یا سلاسل تصوف ہیں جو انتخابی سیاست سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ موجودہ نظام سے الگ تھلگ، اسے چھوڑ چھاڑ کر انفرادی زندگیوں کی تطہیر اور تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے نزدیک انفرادی تزکیہ بھی ضروری ہے اور اجتماعی زندگی کو بھی درست بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ فرد کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ نظام کو۔ فردی اصلاح کے لئے ہمارا پروگرام وہی ہے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ ہمارا بنیادی طور پر تصوف کا سلسلہ ہے۔ اویسیہ نقشبندیہ، ہم ذکر اور تعلیم و تربیت کے ذریعے بندے کا تعلق اپنے رب سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے سلسلے کے مرشد اول حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، اس لئے ہم کسی نئی بات کے موجد اور کسی نئے دعوے کے علمبردار نہیں ہیں۔

حضرت مولانا اللہ یار خان ہمارے سلسلے کے شیخ تھے، انہوں نے برسوں لوگوں کے احوال باطن کی اصلاح کے لئے صرف کئے۔ وہ ایک عالم باعمل تھے۔ ایک دیہاتی قصباتی، لیکن علم کا بحر بیکراں، ان کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اس سلسلے کی ذمہ داری مجھ پر آن پڑی۔ ہم موجودہ نظام کو تسلیم نہیں کرتے، موجودہ نظام کو تبدیل کرنے کے لئے اجتماعی جدوجہد کرنے کی غرض سے اس کا حصہ نہیں بنتے، ہم معروف معنوں میں کوئی انتخاب لڑنے والی جماعت نہیں ہیں۔ ہمارا موقف اصلی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ نظام میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

اس وقت جو سیاسی، سماجی اور معاشی ڈھانچہ ہماری مملکت کا ہے وہ نہیں ہے، جس کے لئے لاکھوں جانوں کی قربانیاں دی گئی تھیں۔ جس کے لئے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ اس طرح کی اسمبلیاں، اس طرح کی عدالتیں، اس طرح کے سیکرٹریٹ، اس طرح کے دفاتر بھارت میں بھی موجود ہیں، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا؟ کیا محض اس لئے کہ وہاں جو کچھ غیر مسلموں کے ہاتھوں ہوتا ہے، یہاں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوتا رہے؟ اس سوال کا جواب یقیناً" نفی میں ہے اور یہی سوال ہم اٹھا رہے ہیں اور اس کا جواب اپنے عمل سے دینے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔

سوال۔ کیا آپ تبدیلی کے لئے مسلح جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں، کیا آپ کسی مسلح انقلاب کی تیاریاں کر رہے ہیں اور کیا یہ ہمارے مسائل کا حل ہو سکتا ہے؟

جواب۔ دیکھیں، ہم اپنے لوگوں کے خلاف، اپنے کلمہ گو بھائیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے۔ معاشرے کو مزید خلفشار اور انتشار میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے۔ اس طرح کی جدوجہد نہ ہمارے منشور میں شامل ہے، نہ ہم اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح تو ایک بگاڑ کی جگہ دوسرا بگاڑ لے لے گا۔ ہمارا بنیادی کنسپٹ concept یہ ہے کہ تبدیلی آتی ہے اندر سے، داخل سے۔ خارجی تبدیلی سے فرد تبدیل نہیں ہوتا۔ آپ جتنے الفاظ چاہے گھڑ لیں اور جتنی اصطلاحیں چاہیں استعمال کریں، سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ انہوں نے جب دعوت پیش کی تو اس کے ساتھ اپنا عمل اور اپنا کردار لوگوں کے سامنے رکھا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی جدوجہد کا آغاز اپنے آپ سے کیا۔ اپنی ذات اور اپنے نفس سے تبدیلی کا آغاز کیا۔ انہوں نے تلوار سے یا کسی مسلح جدوجہد سے لوگوں کو مغلوب نہیں کیا۔ اپنے کردار سے دلوں کو فتح کیا۔ اس لئے ہم جس انقلاب کے طالب ہیں، وہ اپنی زندگی سے شروع ہوتا ہے۔

ہم بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ حکومت ظلم کر رہی ہے۔ حکومت کون ہے، کہاں سے نازل ہوتی ہے۔ آسمانوں سے تو نہیں ٹپک پڑتی کسی درخت پر تو نہیں لگ

جاتی؟ میں اور آپ حکومت ہیں۔ میرا اور آپ کا کردار حکومت ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ تمہارا کردار تم پر حکومت کرے گا' اگر حکمران چور ہیں تو یہ میرے اور آپ کے کردار کی تصویر ہے۔ ہم ہر شخص کو اس کے کردار کی طرف متوجہ کر رہے ہیں اور اس کی تبدیلی کا احساس دلا رہے ہیں' جو شخص اپنے داخل کو تبدیل کر لے گا' وہ خارج کی تبدیلی کے لئے بھی کمر ہمت کس لے گا۔

ہم تبدیل شدہ افراد کو ایک نظم میں باندھ کر طاقت بنا رہے ہیں۔ ان کا دباؤ جوں جوں بڑھتا جائے گا' اجتماعی زندگی میں بھی تبدیلی کا عمل تیز ہوتا جائے گا۔ ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے اقتدار نہیں چاہتے' اہل اقتدار اگر ہمارے ساتھ مل جائیں' اپنے آپ کو بدل ڈالیں تو وہ ہمارے ہو جائیں گے۔ ہم ڈرائیور سے ہر قیمت پر گاڑی چھیننا نہیں چاہتے' اس کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ ہم مولویوں کو ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھانے کے قائل نہیں ہیں کہ انہیں ڈرائیوی کی ابجد کا پتہ نہ ہو۔ ہم انہیں ڈرائیوری کے آداب سکھانا چاہتے ہیں۔

ہمارا طریق تعلیم اور تربیت کا ہے۔ ہم قدیم اور جدید کو ملا کر بہتر مسلمان اور بہتر پاکستانی پیدا کرنے پر یقین رکھتے ہیں' اور اس کے لئے تعلیمی نظام بھی وضع کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں زبانی جمع خرچ نہیں ہوتا' عمل ہوتا ہے۔ چکوال میں سقارہ اکیڈمی کے قیام نے ہمارے خیالات کو عملی شکل میں سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

سوال۔ موجودہ نظام کو تبدیل کرنے کی بات تو بہت سے لوگ کرتے ہیں' لیکن آپ اس کی جگہ کون سا نظام لائیں گے' کیا تبدیلی آپ کو مطلوب ہے۔ کبھی اس پر بھی غور فرمایا آپ نے؟

جواب۔ ہمارے منشور کا مطالعہ کریں۔ آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا۔ ہم نے مختلف شعبوں کے ماہرین کو یکجا کر کے حالات کی اصلاح کے لئے ایک بنیادی دستاویز تیار کی ہے۔ اگر آپ اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم تجویز کرنا چاہیں تو ہم اس پر بھی کھلے دل سے غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔

سوال۔ اس کے بنیادی نکات کیا ہیں؟

جواب۔ اسلام کا "شورائی" نظام بحال کیا جائے۔ بالغ رائے دہی کے ذریعے مملکت کا سربراہ چنا جائے۔ اس کی کابینہ پندرہ افراد سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ وہی صوبائی گورنروں کو بھی نامزد کرے۔ گورنروں اور کابینہ کے ارکان کے نام مشاورت کے لئے شوریٰ کے پاس بھجوائے جائیں۔

○ وفاقی اور صوبائی مجالس شوریٰ کے لئے مخصوص نشستوں پر زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کو چنا جائے۔ یوں کسان' مزدور' صنعت کار' تاجر' وکیل' ڈاکٹر' انجینئر اور استاد فیصلہ سازی میں شریک ہوں گے۔

○ دستور میں موجودہ ارکان شوریٰ کی اہلیت کی شرائط کو نافذ کیا جائے۔

○ اٹھارہ سال سے زائد عمر کے شہریوں کو ووٹ کا حق دیا جائے۔

○ غیر ملکی قرضوں سے فوراً" نجات حاصل کرنے کے لئے ایک خصوصی قومی فنڈ قائم کیا جائے اور لوگوں سے عطیات کی وصول کی جائے۔ اندرون اور بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے تعاون سے قرضوں سے نجات حاصل کر لی جائے۔

○ غیر ترقیاتی اخراجات محدود کئے جائیں اور ہر طرح کی فضول خرچی فوری طور پر بند کی جائے۔

○ قومی بنکاری نظام کی تنظیم نو ہو' سود ختم کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں' قرض اور قرض خواہوں کے کوائف باقاعدگی سے مشتہر کئے جائیں۔

○ **محاسبے** کا موثر انتظام کیا جائے اور عملاً" رائج کرنے والی ایجنسیوں کو ہر طرح کے تغافل اور بدعنوانی کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔

○ ایک مکمل آزاد عدلیہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کی تنخواہوں اور مراعات میں اتنا اضافہ کیا جائے کہ جو انہیں بہتر سے بہتر معیار زندگی کی ضمانت دے سکے۔

○ فوری اور جلد انصاف کے لئے اپیل کے مراحل کم کیے جائیں۔ مقدموں کو نبٹانے کے لئے وقت مقرر کیا جائے۔ گشتی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا جائے اور کورٹ فیس ختم کر دی جائے۔

○ نظام تعلیم کی اصلاح کی جائے اور ایک سال کے اندر اندر قومی سطح پر نصاب تیار کیا جائے۔ اساتذہ کو اعلیٰ مقام دیا جائے۔ نظام امتحانات کو یکسر تبدیل کر دیا جائے۔

○ ایک خاص مد سے زیادہ زرعی آمدنی پر مناسب شرح سے ٹیکس ادا کیے جائیں۔

○ ہر پاکستانی کو عسکری تربیت دی جائے۔

○ سرکاری ملازمین کی جائیداد اور اخراجات کے گوشوارے ہر سال عوام کی اطلاع کے لئے مشتہر کیے جائیں۔

سوال۔ اس وقت پارلیمانی نظام قائم ہے' دستور میں اسی کی اجازت ہے۔ آپ اسے تبدیل کرنے کا جو مطالبہ کر رہے ہیں' کیا وہ دستور کو منسوخ کیے بغیر ممکن ہے؟

جواب۔ بھائی' دستور کے اندر ہی اسے تبدیل کرنے کا راستہ موجود ہے۔ اسے تبدیل کر دیا جائے' تو منسوخ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ موجودہ پارلیمانی نظام نے ہمارے معاشرے کو کچھ نہیں دیا۔ یہ چند افراد یا چند خاندانوں کی حکومت کا نام ہے۔ اسے آسمانی صحیفہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چند خاندانوں کے افراد اسمبلیوں میں آ کر پورے نظام کو بلیک میل کرتے ہیں اور معاشرے کی اقدار کو تہ و بالا کر رہے ہیں۔ دستور عوام کے لئے ہوتا ہے' عوام دستور کے لئے نہیں ہوتے۔ موجودہ نظام مردہ گھوڑا ہے' چابک مارنے سے یہ سرپٹ نہیں بھاگے گا۔ اسے گڑھا کھود کر دبانا ماحول کو پاک صاف کرنے کے لئے ضروری ہے۔ جتنی دیر اس کی لاش پڑی رہے گی' فضا میں تعفن پھیلا رہے گا۔

ہر شخص چیخ چیخ کر اعلان کر رہا ہے کہ موجودہ نظام کوئی مسئلہ حل نہیں کر پا رہا۔ یہ خود ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ ہم اس شعور کو بیدار اور منظم کرتے جائیں گے اور تبدیلی کا دروازہ کھلتا جائے گا۔ کسی مردے کو زندہ کہنے سے تو وہ زندہ نہیں ہو جاتا۔ مردہ مردہ ہے اور مردہ ہی رہے گا۔

سوال۔ آپ کی تنظیم میں کیا آپ کے سلسلہ میں اویسیہ نقشبندیہ کے لوگ ہی شامل ہو سکتے ہیں؟

جواب۔ اس وقت تو تنظیم کے افراد کی بڑی تعداد اس سلسلے ہی سے تعلق رکھتی ہے' لیکن اس میں شامل ہونے کے لیے کسی فرقے' رنگ' نسل یا جماعت کی کوئی قید نہیں ہے۔ ہر وہ مسلمان جو ہمارے منشور سے متفق ہے' ہمارا رکن بن سکتا ہے۔ ہمارا تعلق کسی خرچ یا کسی گروہ سے نہیں۔ ہم معاشرے کو متحد اور منظم کرنا چاہتے ہیں' اس کی تقسیم کو ختم کرنا چاہتے ہیں' اس لیے ہمارے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں۔ اس حوالے سے بھی آپ دیکھیں تو دوسروں کے اور ہمارے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ ہماری دعوت کسی شخصیت کے کسی فرقے کی طرف نہیں۔ ہم نہ کوئی بت بناتے ہیں' نہ کسی دوسرے کے بت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہماری کوشش اور کاوش یہ ہے کہ بتوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جاؤ۔ ہم کسی سے نہیں کہتے کہ تم درود شریف آہستہ پڑھو یا بلند آواز سے۔ رفع یدین کرو یا نہ کرو۔ آمین بالجہر کہو یا نہ کہو۔ ہم ان تمام فروعی اختلافات سے اوپر اٹھنے کی بات کرتے ہیں۔ ہوس اقتدار کو بھی پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتے ہیں۔ ہمارا پیغام یہی ہے کہ شمع رسالت کے پروانوں' شمع رسالت کے گرد جمع ہو جاؤ۔

سوال۔ ایک رائے یہ بھی پائی جاتی ہے کہ موجودہ پارلیمانی نظام کو بہتر بنایا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعے مطلوبہ تبدیلی لائی جا سکتی ہے؟

جواب۔ کسی کی یہ رائے نیک نیتی پر مبنی ہو سکتی ہے' لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ کیکر کے درخت پر آم نہیں لگائے جا

سکتے۔ آم کھانے کے لیے آم کا پودا ہی لگانا پڑے گا۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے' اس سے آنکھیں بند کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ ہم نہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے قائل ہیں' نہ اہل وطن کو۔ ہم نے جو سوچا ہے وہ قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یہ کوئی آسمانی صحیفہ نہیں ہے۔ اس میں بھی تبدیلی کی جا سکتی ہے' لیکن بنیادی بات یہی تھی اور یہی ہے کہ ہمیں موجودہ نظام کو تبدیل کرنا پڑے گا۔ پاکستان جس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا اس کی طرف سفر کا آغاز کرنا پڑے گا۔

سوال۔ یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ پاکستان مسلمان قوم کی ضروریات کے لیے بنایا گیا تھا' اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانا مقصود نہیں تھا؟

جواب۔ مسلمان قوم کی بھی تو اولین ضرورت اسلام ہی ہے۔ کسی طرح کی منفی بحثوں میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کوئی شخص جو کہے اور جو کرے' اسلام پاکستان کا مقدر ہے۔ تحریک پاکستان میرے لیے کوئی کتابی یا نظری شے نہیں۔ مجھے انگریز سے آزادی حاصل کرنے سے پہلے خود مسلم لیگ کے جلسے دیکھنے' اور ان میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں کسی دینی جماعت میں شامل نہیں تھا۔ ابتدا سے اب تک مسلم لیگ ہی ہماری فیملی تھی۔ ہم اسی تنظیم کا حصہ تھے۔ اس کا کیا حشر ہوتا رہا۔ مختلف ادوار میں اس میں کیسے کیسے لوگ آئے' اس سے قطع نظر ہم اس مسلم لیگ سے وابستہ رہے' جو ہمارے تصورات اور خیالات میں تھی۔ جس کے نعرے ہم نے سنے بھی اور گائے بھی۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ تحریک پاکستان کا مقصد کیا تھا۔

ہم نے کتنی بڑی قربانی دی' لاکھوں افراد قربان کر دیے اور کروڑوں کو پیچھے چھوڑ آئے۔ ہمارے بزرگوں نے کتنی محنت سے اس برصغیر میں اسلام پھیلایا تھا۔ ہم نے کلکتے سے لے کر واہگہ تک اور مدراس سے دکن تک کا وسیع علاقہ چھوڑ دیا۔ ہماری سب سے بڑی قربانی یہ ہے کہ ہم نے یہ اتنا بڑا خطہ زمین چھوڑ دیا' اس لیے کہ ہمیں ایک کارنر ہی مل جائے جہاں ہم اپنا نظام قائم کر سکیں۔ آج بھی جب میں کبھی بارڈر کے قریب جاتا ہوں تو عجب منظر سامنے ہوتا ہے۔ ایک صبح میں نے دیکھا کہ جہاں اذان کی آوازیں گونجا کرتی تھیں' وہاں آج کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں۔ سورج طلوع ہوتے ہی بھجن سنائی دینے لگتے ہیں۔ کیا اتنی بڑی زمین ہم نے اس لیے چھوڑ دی کہ جو وہاں ہوتا ہے' جو نظام وہاں قائم ہے' وہ یہاں بھی رہے۔ جس طرح کی سیاست وہاں ہو رہی ہے' وہ یہاں بھی چلتی رہے۔

سوال۔ ہمارے دستور کے مطابق تو اسلام سب سے بالاتر ہے؟

جواب۔ یہ درست ہے کہ قرارداد مقاصد پہلے دیباچے کے طور پر آئی' اب دستور کا حصہ ہے۔ لیکن میں اس تضاد کا کیا کروں کہ اسلام کو سپریم لا قرار دیا جائے لیکن ہمارے ساتھ معاملہ آرڈیننری لا کرتا رہے' سپریم لا کو تو اوپر بٹھایا ہوا ہے۔ اسے نیچے اترنے' اور عام قانون کو بدلنے کی "اجازت" کہاں ہے؟ گویا' قرآن کی عظمت کے ہم قائل ہیں' سنت کی عظمت کے ہم قائل ہیں لیکن زندگی اپنی پسند سے گزاریں گے۔

سوال۔ آپ بنیادی طور پر ایک "صوفی" ہیں۔ ایک سلسلہ تصوف کے شیخ ہیں۔ کیا صوفیا نے کبھی یوں تنظیمیں بنائی ہیں' کیا آپ کے اپنے شیخ نے اس طرح کی کوئی تنظیم بنائی تھی؟

جواب۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں' جب بھی مثبت تبدیلی آئی ہے۔ صوفیا نے اس میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ مجدد الف ثانی صوفی تھے۔ شاہ ولی اللہ کا پورا خاندان صوفیا کا تھا۔ ہم تک کلمہ توحید' کیا ان کے اور ان جیسے دوسرے بزرگوں کے ذریعے نہیں پہنچا۔ صوفیا کا اسلام کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ ہمارا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ آپ مسلمان ہیں تو اسلام کو "اون" کریں۔ یہ آپ کے والدین کا' دادا جان کا' یا بزرگوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ کا اور ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔ ہم پر یہ لازم ہے کہ پہلے خود معلوم کریں' سیکھیں کہ

اسلام کیا ہے۔ قرآن کو سیکھیں، سنت کو سیکھیں، رسول اللہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی حقوق کو جو چارٹر دیا، اس پر خود عمل پیرا ہوں، اور پھر اسے اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ ہمارے ہاں شخصی تربیت کا نظام سارا سال چلتا ہے۔ ہم نے دینی تعلیم کے لیے تعلیم بالغان کے کورسز ترتیب دیے ہیں۔ جو دنیا بھر میں بذریعہ ڈاک بھیجے جاتے ہیں۔ جو ہمارے ساتھ منسلک ہوتا ہے، اسے چند روز کے کورسز کرائے جاتے ہیں۔ اس طرح بتدریج اسے مسلمان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

مسلمان کو آپ خانوں میں نہیں بانٹ سکتے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھیں۔ وہ آل راؤنڈر تھے۔ اسلام قبول کرتے ہی ان کی دنیا بدل جاتی تھی۔ ایک شخص مسلمان ہوتا ہے، وہ کھیت چھوڑ کر آتا ہے لیکن صبح کو اسے مجاہدین کے کسی دستے کا امیر بنا دیا جاتا ہے۔ وہ بہترین جرنیل بھی ثابت ہو جاتا ہے، اسلام کو قبول کرتے ہی بندے میں احساس ذمہ داری پیدا ہو جاتا ہے۔ ذمہ داری کا شعور آجاتا ہے، وہ اسے ادا کرنے کا انداز بھی سیکھ لیتا ہے اور اسے نبھا بھی سکتا ہے۔ ہم اپنے لیے یا اپنی پارٹی کے لیے اقتدار کی جنگ نہیں لڑتے۔ ہماری لڑائی اقدار کے لیے ہے۔

سوال۔ میرے سوال کا ایک حصہ یہ تھا کہ آپ کے شیخ نے بھی کیا کوئی تنظیم بنائی تھی؟

جواب۔ ہمارے شیخ نے، مولانا اللہ یار خان صاحب نے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے، کوئی تنظیم تو نہیں بنائی، لیکن وہ جس راستے پر چل رہے تھے، اسی راستے پر چلتے ہوئے ہم نے یہ کام کیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ہاں ظاہری بیعت نہیں لی جاتی تھی۔ کچھ لوگ شیخ کی صحبت میں رہتے تھے، ان سے سیکھتے تھے اور مخصوص لوگوں کو آگے سکھاتے تھے۔ یوں ایک گروہ کے پاس یہ امانت رہتی تھی، اور وہ اسے آگے منتقل کرتا تھا۔ 1978ء، 1979ء کی بات ہے۔ حضرت شیخ نے طے کیا ہمیں معاشرہ آواز دے رہا ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ لوگوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے، اور ان کو اکاموڈیٹ کرنا چاہیے۔ اس طرح انہوں نے ظاہری بیعت کا سلسلہ شروع کیا۔ میں پہلا آدمی تھا جس نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس وقت مجھے ان کی رفاقت میں بیس سال ہو چکے تھے۔ اب اس میں ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا ہے، ایک تنظیم قائم کر دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کام کی طرف متوجہ کیا جا سکے۔ جو ہمارے سلسلے میں شامل نہیں ہیں، وہ بھی ہمارے مقاصد اور طریق کار سے متفق ہوں تو ہمارے ساتھ مل سکتے ہیں۔ یوں دائرہ وسیع تر ہو گیا ہے۔

مجیب بھائی، پانی کا ایک قطرہ گرتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کچھ نہیں ہوا۔ مسلسل گرتا ہے تو پھر وہاں گڑھا پڑ جاتا ہے، لوگ اس کا کریڈیٹ آخری قطرے کو دیتے ہیں۔ حالانکہ پانی کے آخری قطرے کا اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا کہ پہلے قطرے کا۔ ہمیں تبدیلی اسی وقت نظر آتی ہے جب اس کی کوئی صورت بن جاتی ہے۔ یہ جسے آپ تبدیلی قرار دے رہے ہیں، اس کی صورت بھی یہی ہے۔ یہ شروع تب سے ہوئی، جب سے سلسلے کی بنیاد رکھی ہے حضرت نے۔ ظاہری بیعت کا سلسلہ شروع کیا۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کرے، علم حاصل کرے، اور پھر میدان عمل میں اتر جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ڈرائیور بڑا بدمعاش ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ شریف لوگوں کو ڈرائیور بنایا جائے یا ڈرائیور کو شریف بنانے کی کوشش ہو۔ ہم جن لوگوں کو شریف بنا رہے ہیں، اگر انہیں مسجد ہی میں بند کر دینا ہے تو پھر معاشرے میں کون کام کرے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ پولیس میں اگر برے لوگ ہیں تو ان کو اچھا بناؤ پھر اچھے لوگوں کو پولیس میں بھیجو۔ ہم نے باقاعدہ صقارہ سسٹم آف ایجوکیشن بھی ترتیب دیا ہے، اس مقصد کے لیے۔

سوال۔ یہ سلسلے کا حصہ یا تنظیم کا؟

جواب۔ یہ سب ایک دوسرے کا حصہ ہیں۔ اصل بنیاد سلسلہ ہی ہے۔ چکوال میں ہم نے صقارہ اکیڈمی قائم کی

ہے۔ لاہور میں بھی منتارہ کالج کام کر رہا ہے۔ یہ ایک ماڈل ہم نے بنایا ہے' جدید اور قدیم کی یک جائی کا۔ اسے دیکھا جا سکتا ہے' اور اس کو فالو کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے افراد اس مقصد کے لیے اس طرف رجوع کر رہے ہیں' اور دیکھ سکتے ہیں کہ ہم نے کس طرح' کیا نتائج حاصل کیے ہیں۔

سوال۔ آپ کا سلسلہ کتنے واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے؟

جواب۔ ہمارا نقشبندی سلسلہ حضرت مجدد کے سلسلے سے الگ ہے' یہ نقشبندیہ **اویسیہ** سلسلہ ہے۔ یہ دوسرے تمام سلسلوں سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس شیخ کا مرید سے تعلق "ون ٹو ون" نہیں چلتا۔ دوسرے سلسلوں میں مرید' شیخ سے براہ راست اکتساب فیض کرتا ہے۔ ہمارے ہاں فیض حاصل کرنے کے لیے جسمانی طور پر ملنا ضروری نہیں ہے۔ یہاں روح روح سے فیض حاصل کر لیتی ہے۔ جس طرح حضرت اویس قرنی کو حضور رسول اکرم کی صحبت سے جسمانی فیض اٹھائے بغیر ان کی روح اطہر سے برکات پہنچ گئیں' اسی طرح ہمارے سلسلے میں بھی فیض پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے یہ سلسلہ صرف تیرہ واسطوں سے رسول اکرم تک پہنچ جاتا ہے۔

ہمارے شیخ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ان کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ "ابوبکر ظاہری اعمال کی وجہ سے تم پر سبقت نہیں لے گئے۔ ان کی اصل سبقت وہ نعمت ہے جو میرے سینے سے ان کے سینے میں انڈیلی گئی۔"

سوال۔ تو کیا حضرت ابوبکرؓ بھی "صوفی" تھے؟ کیا وہ بھی "تصوف" کے قائل تھے؟

جواب۔ بھائی' یہ تصوف کا نام تو بعد میں متعارف ہوا۔ اصل چیز وہ ہے کہ جسے تزکیہ کہتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرآن کریم میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں' یعنی ان کے باطن کو جلا بخشتے اور سوچ کو پاکیزہ انداز عطا کرتے ہیں۔

سوال۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ سلسلہ **اویسیہ** تیرہ سلسلوں سے حضور تک جا پہنچتا ہے' تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی کڑیاں مختلف ادوار میں پائی جاتی رہی ہیں' ان سب کا ایک دوسرے سے براہ راست رابطہ نہیں تھا؟

جواب۔ یہ درست ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی تحریروں میں بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ سلسلہ بعض اوقات زیر زمین چلا جاتا ہے۔ پانی کی رو کی طرح۔ دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ آگے صحرا ہی صحرا ہے۔ پانی کا نام نشان نہیں ملتا' لیکن اس صحرا کے بعد پانی پھوٹتا ہے تو جل تھل ہو جاتا ہے۔ جب کسی ذاکر کو' کسی صوفی کو قلب کی روشنی نصیب ہوتی ہے تو اللہ کی رحمت چاہے تو اسے سلسلے سے منسلک کر دے۔ وہ منسلک ہوتا ہے تو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اسے برکات کہاں سے مل رہی ہیں۔

سوال۔ آپ کے جو شیخ تھے' ان کے شیخ کون تھے؟

جواب۔ ان کے جو شیخ تھے' اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں فرمائے' وہ جھنگ میں دفن ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ۔ ان کے شیخ تھے خواجہ الہ دینؒ۔ ان کا اصل نام اور تھا' کنیت الہ دین تھی۔ آپ مدینے کے رہنے والے تھے بنیادی طور پر' اس سرزمین میں ان کا وصال ہوا۔

سوال۔ گویا تین' کڑیاں تو ماضی قریب ہی میں مل جاتی ہیں؟

جواب۔ یہ جو خواجہ عبدالرحیمؒ ہیں' اور ان کے جو شیخ ہیں ان میں تین سو سال کا فرق ہے۔

سوال۔ عام آدمی کس طرح اندازہ لگائے گا کہ یہ بزرگ سلسلہ نقشبندیہ کے ہیں' اور ان کو فلاں سے فیض پہنچ رہا ہے؟

جواب۔ دیکھنے سے پتہ نہیں چلتا۔ یہ برتنے کی شے ہے۔ محسوس کرنے کا معاملہ ہے۔

سوال۔ آپ اس سلسلے کے ساتھ کیسے منسلک ہوئے؟

جواب۔ میں تو اس فیلڈ کا بندہ نہیں تھا۔ مکمل طور پر دوسرے فیلڈ کا بندہ تھا۔ ہمارا ایک خاندانی پس منظر ہے۔ قبائلی سی زندگی تھی' لڑائی بھڑائی والے لوگ تھے۔ یہ مارا' وہ

کیا' یہ آیا وہ گیا' اس قسم کی زندگی تھی۔ ہمارے خاندانوں میں قتل و غارت کا سلسلہ جاری تھا۔ لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ کئی فوج میں نکل جاتے تھے۔ میں اس طرز زندگی سے تھک سا گیا' میں نے سوچا کہ یہ کوئی درست بات نہیں ہے۔

سوال۔ آپ ماشاء اللہ اعوان تو ہیں لیکن آپ کا تعلق کس علاقے سے ہے؟

جواب۔ چکوال کے قریب ہی' منارہ کے علاقے ہی سے تعلق ہے۔ اسی علاقے میں پیدا ہوا۔ زمینداری کے اعتبار سے ہم تگڑے ہیں۔ میں چکوال ڈگری کالج میں تھا کہ قبائلی جھگڑوں میں الجھنا پڑا۔ یہاں سے میں جیل چلا گیا ان دنوں ہر وقت ایمرجنسی کی کیفیت رہتی۔ کبھی پولیس مقابلے' کبھی گرفتار' کبھی مفرور۔ یہ جھگڑے ایسے تھے جو وارثت میں ملے تھے۔ ہم پر کچھ زیادہ ہی زوال آیا' ہمارے کچھ زیادہ لوگ ہی قتل ہو گئے۔ میرے والد نے ان معاملات سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لیا تھا۔ اس لیے یہ میرے گلے پڑ گئے۔ مقدمات کی تفصیل تو یاد نہیں' دو تین مرتبہ جیل جانا ہوا۔

میرے اندر اس نظام سے بغاوت کا جذبہ بیدار ہوتا گیا۔ ہم اپنے خاندان کے کوئی بیالیس افراد کو ان جھگڑوں کی بھینٹ چڑھا چکے تھے۔ میرے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ ملے اور ہمیں اسلام کی تعلیم دے۔ ہمیں اسلام پر چلنا سکھا دے' اور اس کشمکش سے نکالے۔ میں بہت سے علماء سے ملا' کئی پیروں کے پاس گیا' لیکن ہر جگہ میں نے دیکھا کہ لوگ دنیاوی مفادات کے اسیر ہیں۔ پیسے بنانا ان کا مقصد ہے۔ میں نے یہ سب دیکھا تو سوچا کہ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے' ہمیں یہ رنگین جبے پہن کر دو دو' چار چار روپے جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

سوال۔ اپنے شیخ سے آپ کی ملاقات کیسے ہوئی؟

جواب۔ حضرت سے میری ملاقات اتفاقاً" ہوئی۔ اس زمانے میں شیعہ سنی کی بڑی "ٹینشن" تھی۔ ان دنوں اس بنیاد پر خون خرابہ تو نہیں ہوتا تھا' لوگ ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ تو نہیں اتارتے تھے لیکن مناظرے خوب ہوتے تھے۔ ہمارے علاقے میں بھی مناظروں کا چرچا تھا۔ ایک شیعہ عالم ہوتے تھے مولانا اسماعیل۔ انہیں شیعہ حضرات نے بلایا' تو اہل سنت نے حضرت شیخ کو بلا لیا۔ ہمارے گاؤں کے قریب ہی میدان لگا۔ شیعہ عالم نے امام باڑے میں جلسہ کیا۔ شیخ نے مسجد میں خطاب کیا۔ میں نے انہیں سنا تو وہ ایک مختلف آدمی نظر آئے۔ جو میرا تجربہ تھا علما اور پیروں کا' ان سے الگ ہٹ کر ایک بندہ نظر آیا۔ ان کی گفتگو بھی جدا تھی' اور ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ایک غریب آدمی کے گھر پر کسی پروٹوکول اور تکلف کے بغیر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس اللہ کے بندے نے اس شیعہ عالم کی تحقیر نہیں کی۔ نہ کوئی شخصی حملہ کیا۔ بلکہ یہ تک کہا کہ اگر کوئی شیعہ عالم اپنے افراد کے سامنے اپنے مسلک کی تعلیم دیتا ہے تو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ شوق سے ایسا کرے' لیکن اگر وہ اعتراض کرے گا' اہل سنت پر اور صحابہ پر تو پھر اس کا جواب دوں گا۔ آپ نے پھر اصلاحی تقریر کی۔ لوگوں سے کہا کہ اللہ کو یاد کرو' جھوٹ بولنا چھوڑ دو' اس زمانے میں یہ بڑی عجیب بات تھی۔

حضرت نے ایک آدمی امام باڑے میں بھیج دیا کہ جو شیعہ عالم کی تقریر کے نکات نوٹ کر کے لائے تاکہ وہ اگلے روز جواب دے سکیں۔ ان عالم صاحب نے اہل سنت کے خلاف زور دار تقریر کی اور خلافت راشدہ کے حوالے سے کئی اعتراضات اٹھا کر سوالات کیے۔ آپ نے اعلان کیا کہ کل صبح ان سوالوں کا جواب دوں گا' اور اپنی طرف سے سوالات بھی کروں گا۔ شیعہ عالم کو ان کے جواب دینا ہوں گے۔ ان کو یہاں روک کر رکھا جائے' کہیں وہ یہاں سے چلے نہ جائیں۔ اگلے دن یہی ہوا وہ شیعہ عالم غائب ہو گئے۔ اس پر شیخ نے کہا کہ دیکھو' میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ حق کیا ہے اور صحیح بات کیا ہے۔ اس بات کو چھوڑ دو کہ ایک پارٹی جیت گئی' یہ سوچو کہ اللہ کے سامنے سرخرو کیسے ہو گے۔ مجھے ان کا یہ انداز پسند آیا۔

سوال- آپ ان کو دل دے بیٹھے؟

جواب- جی' ان سے دلی تعلق قائم ہو گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اس طرح کا آدمی دیکھا تھا۔ اس دن سے حضرت کے وصال تک' پچیس برس تک ان کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ میں نے قرآن' حدیث' فقہ جو کچھ سمجھا انہی سے' جو کچھ بھی سیکھا انہی سے۔ اس دوران زمینداری بھی کرتے رہے۔ دال روٹی ملتی رہی' لیکن آتے اور چلے جاتے' جاتے اور لوٹ کر آ جاتے۔ بس اس طرح دن گزر گئے۔ اس سادہ سے آدمی نے میرے دل کو' دماغ کو' سوچ کے انداز کو بدل ڈالا۔

سوال- آپ کی تنظیم الاخوان کس رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے؟

جواب- بہت تیز رفتاری سے۔

سوال- اس وقت اس کے ارکان کی تعداد کتنی ہے؟

جواب- ہزاروں میں۔

سوال- انتخاب میں حصہ آپ نہیں لیں گے' مسلح جدوجہد پر آپ یقین نہیں کرتے' پھر تبدیلی کیسے آئے گی؟

جواب- ہم انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں لیکن موجودہ نظام انتخاب کے تحت نہیں۔ اس وقت کم و بیش ستر فیصد افراد ایسے ہیں جو ووٹ ڈالنے ہی نہیں جاتے۔ تین فیصد کے لگ بھگ لوگوں نے ملک پر قبضہ کر رکھا ہے۔ گویا اقلیت جمہوریت کے نام پر قابض ہے۔ یہ ستر فیصد افراد ہمارے مخاطب ہیں۔ ان میں سے بیس فیصد بھی متحرک ہو گئے' انہوں نے سر پر کفن باندھ لیا' تو تبدیلی آجائے گی۔ موجودہ نظام کو اکثریت مسترد کر چکی ہے۔ اس کا باقاعدہ اعلان باقی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی ہو جائے گا۔

سوال- اعوان صاحب' آپ کی جنرل ضیاء الحق سے ملاقاتیں رہیں' کیا آپ نے ان کے ساتھ مل کر بھی کوئی منصوبہ بنایا تھا؟

جواب- جنرل ضیاء الحق سے میری ملاقات رہی۔ بھٹو صاحب سے بھی ملنے کا موقع ملا۔ سیاست سے الگ ہو کر بات یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق ذاتی طور پر بڑی خوبیوں کے مالک تھے' ان سے میں نے کہا کہ ہم نظام تعلیم پر کام کریں گے' اور ایک ماڈل وضع کریں گے۔ پاکستان کا نظام تعلیم اس کے مطابق استوار کیا جا سکے گا۔ وہ منارہ آئے' انہوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی' لیکن جب ہمارا کام آگے بڑھا تو وہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ہم نے اپنے "پائلٹ پروجیکٹ" کو دیکھنے کے لیے میاں نواز شریف اور ان کے وزرائے تعلیم کو دعوت دی کہ وہ اسے ملک بھر میں پھیلانے کے بارے میں سوچیں' لیکن ان حضرات کو فرصت نہیں تھی یا پھر اس طرف ان کا رجحان نہیں تھا۔ انہوں نے اس طرف نہیں دیکھا۔ بہرحال ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

سوال- بھٹو صاحب سے آپ کی ملاقات کیسے ہوئی؟

جواب- یہ اللہ کا احسان ہے کہ میں جس شعبے میں بھی قدم رکھتا ہوں' مجھے کامیابیاں ملتی ہیں۔ ایک وزن محسوس کیا جاتا ہے۔ سیاسی شخصیات بھی ہماری ضرورت محسوس کرتی رہتی ہیں' اور یہ بات ان سے "ورکنگ ریلیشن" شپ قائم ہو سکے یا نہ۔ لنکس بہرحال اسٹیبلش ہوتے رہتے ہیں' بات چلتی رہتی ہے۔

بھٹو صاحب میں بھی کئی خوبیاں تھیں۔ آخری زمانے میں ان کے اندر یہ خوشگوار تبدیلی آئی تھی کہ وہ موجودہ نظام سے مایوس ہو چکے تھے۔ وہ مروجہ سیاست سے تھک چکے تھے' لیکن ان کے گرد جس حلقے نے دیوار بنا دی تھی' وہ انہیں آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔

سوال- مگر وہ دھن کے پکے تھے' آگے اپنے طور پر بڑھ سکتے تھے؟

جواب- میں سمجھتا ہوں' ہمارے اسلامی طبقے نے ان کی افادیت کو محسوس نہ کیا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ بھٹو فرشتہ بھی بن جائے تو اس پر اعتبار نہیں ہو سکتا' اس سے تعاون نہیں ہو سکتا۔

سوال- اسلامی طبقے میں سے کئی جنرل ضیاء الحق کے بارے میں بھی یہی کہتے تھے؟

جواب۔ یہ اصل میں بدنصیبی کی بات ہے۔ یہ لوگ "ون سائیڈڈ" ہو جاتے ہیں۔ یہ مخلص، نیک، اور اچھے لوگ ہیں لیکن حکمت سے کام نہیں لیتے۔ دنیا کی کسی اور قوم کو ضیاء الحق جیسا نظریاتی بندہ مل جاتا تو وہ چند برسوں میں اس سے اتنا کام لے لیتی کہ صدیوں کے لیے کافی ہوتا۔ مگر ہمارے دینی طبقے انہیں صحیح طور پر استعمال نہ کر سکے۔ ان سے کام نہ لے سکے۔

سوال۔ مگر آپ نے خود بھرپور استفادہ کیوں نہ کیا؟

جواب۔ ہم اس لیے نہ کر سکے کہ جو ثمرات اجتماعی سطح پر حاصل کیے جا سکتے تھے، انفرادی کوشش سے ان کا حصول ممکن نہ تھا۔

سوال۔ کیا، ان حالات میں ضروری نہیں ہے کہ پہلے اس طبقے کی اصلاح کا پروگرام بنایا جائے؟

جواب۔ ضروری ہے۔ ہم یہ کام کر رہے ہیں۔ اس طبقے سے ہم ناامید نہیں ہیں۔ اس سے ہمارا رابطہ ہے، اور تعلیمی نظام کا جو ماڈل تیار کر رہے ہیں، یہ اس کی طرف آ بھی رہے ہیں۔

سوال۔ آپ کیا محسوس کرتے ہیں، آپ کی اس کاوش کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

جواب۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ایک ٹاپکل (TYPICAL) اسلام سب پر مسلط کر دیا جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے براہ راست قرآن سکھایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بتائے جائیں، ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق اس فریم ورک میں کچھ سیکھ سکے، اور پھر آگے سکھا سکے، وہ سب ٹھیک ہے۔ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے یا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان معاملات میں الجھے بغیر اسلام پر عمل کیا جائے، اس کی روح کو سمجھا جائے، اور ہر شخص ایک خاص سانچے میں ڈھلتا جائے ہم جبرا" ہر ایک کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنا نہیں چاہتے۔

بشکریہ "ہفت روزہ زندگی"

بقیہ: ستارہ کالج

کی ٹیم نے آکر ستارہ کالج کو دیکھا اور اس کالج کی Visitor Book میں ایسے کلمات تحریر کئے جن سے یہ کالج پورے ملک میں سب کالجز میں تعلیم کے اعتبار سے اہمیت اختیار کر گیا۔ اس وجہ سے مجھے ستارہ کالج کے طالب علم ہونے پر فخر ہے۔ اب اللہ کے فضل سے سائنس کی جدید لیبارٹریوں کا قیام عمل میں آ چکا ہے اور ایف۔ ایس۔ سی پری میڈیکل اور پری انجینئرنگ کی کلاسز بھی شروع ہو چکی ہیں۔ ابھی انشاء اللہ ستارہ کالج چند سالوں میں ستارہ یونیورسٹی کے نام سے پورے ملک میں اجاگر ہو گا۔ یہ واحد ادارہ ہے جس میں ذکر الٰہی اور دینی نصاب ایک ٹائم ٹیبل کے مطابق پڑھایا جاتا ہے۔ ہر کلاس کو N. C. C کی تربیت دی جاتی ہے۔ ہر طالب علم نماز کی پابندی کرتا ہے اور یہاں سے فارغ شدہ طالب علم انشاء اللہ عام زندگی کے مسائل کو اس طرح سمجھ چکا ہوتا ہے اور اس کو کسی مولوی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ طلباء کو اور زیادہ بہتر بنانے کے لئے 1991ء سے کمپیوٹر کورس شروع کرایا گیا ہے۔ ہر طالب علم کمپیوٹر کا ایک کورس تین ماہ میں آسانی سے مکمل کر لیتا ہے۔ یاد رہے ستارہ کالج کی بنیاد اس لئے نہیں رکھی گئی کہ طلباء کو صرف دنیا کمانے کا طریقہ سکھایا جائے یا صرف دینی تعلیم دی جائے کہ طلباء مسجدوں کے امام بن کر رہیں۔ ستارہ کالج کی بنیاد کا اصل مقصد طلباء کو دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے اور طلباء کی بول چال کا طریقہ، اخلاق، سنوارنے کا عزم لے کر ستارہ کالج بنایا گیا ہے اور انشاء اللہ تا قیامت ستارہ کالج اپنا یہ فرض انجام دیتا رہے گا۔

چیچن کے جہاد کا تاریخی پس منظر

اس وقت چیچن اور روس کے درمیان لڑائی کی خبروں نے حالات حاضرہ سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے۔ چیچن کے بہادر مسلمانوں نے جس انداز سے روس کا مقابلہ کیا ہے وہ ہر شخص سے خراج تحسین وصول کر رہا ہے۔ اس علاقے کے بارے میں ہمارے یہاں بہت کم معلومات ہیں۔ سب سے پہلے تو اس کی جغرافیائی سرحدوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ بحیرہ کسپین اور بحیرہ اسود کے عین وسط میں پاکستان سے اندازاً ۲ ہزار میل فضائی فاصلے پر واقع چیچن قفقاز یا کوہ قاف کے علاقے میں شامل ہے۔ اس کے شمال میں روس' جنوب میں داغستان اور آذر بائیجان مشرق میں بحیرہ کسپین اور مغرب میں بحیرہ اسود ہے۔ اس کی کل آبادی پندرہ لاکھ اور رقبہ انیس ہزار تیس سو مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا صدر مقام گروزنی ہے جس کی آبادی اندازاً پانچ لاکھ ہے۔ یہاں پانچ شہر اور چار بڑے قصبے ہیں۔ ۶۰ افراد فی مربع کلومیٹر کی آبادی ہے۔ یہاں کے ذرائع پیداوار میں تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر ہیں۔ یہاں روس کے تیل صاف کرنے کے بڑے اہم کارخانے ہیں۔ روس کی ۹۰ فیصد ایوی ایشن تیل کی ضروریات یہیں سے پوری ہوتی ہیں۔

گھنے جنگلوں' بے شمار ندی نالوں اور بلند و بالا پہاڑوں سے گھرا ہوا چیچن ان قبائل کا مسکن ہے جنھوں نے کبھی اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکنا نہیں سیکھا۔ زار روس کی تمام تر افواج ان پہاڑوں میں دم توڑ گئیں۔ اس علاقے میں امام شاملؒ کی قیادت میں انیسویں صدی میں روس کی افواج کا جو نقصان ہوا۔ ایک روسی جنرل ویلمنوف کے بقول وہ اس کی مدد سے جاپان سے ترکی تک کا علاقہ فتح کر سکتے تھے۔ دو روسی جنرل تو صرف ایک روز مارے گئے تھے۔ پچاس سالہ جدوجہد کے دوران چیچن کے گھر بار لٹے' وہ اپنے بچوں اور عورتوں سمیت آگ میں زندہ جلا دیئے گئے لیکن زار روس کے سپاہیوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ ان کے باغات اور ان کے جنگل اجاڑ دیئے گئے' ان کے کھلیانوں کو آگ لگا دی گئی ان کی روزی کے تمام ذرائع بند کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ان تمام تر ظالمانہ اقدامات نے ان کے عزم و ہمت میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے دی۔

کسی بیرونی امداد یا توپ خانے کی مدد کے بغیر سوائے ان چند توپوں کے جو وہ دشمن سے چھین سکے وہ روس کے بڑے بڑے لشکروں کو تہس نہس کرتے رہے۔ وہ روسی علاقے تک یلغار بھی کرتے رہے۔ روس کی عددی قوت' سرمایہ اور فوجی برتری غرض کوئی چیز بھی ان کے مقابل نہ ٹھہر سکی۔ انہوں نے امام شاملؒ کی قیادت میں ہزاروں کے لشکروں کو شکست دی اور یہ ثابت کر دیا کہ کَمْ مِنْ فِئَةٍ

قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ کتنے ہی کم تعداد رکھنے والے گروہوں پر اللہ کے حکم سے غالب آتے رہے ہیں۔

ان کی شجاعت کی داستانیں قفقاز کے بلند و بالا پہاڑوں پر کندہ ہیں اور گروزنی کے دفاع میں چیچن نے آج بھی جو کارنامے انجام دیئے ہیں اور جس طرح ایک بہت بڑی تعداد اللہ کے نام پر آگ اور خون کے سمندر میں کود پڑی ہے وہ ان کے عزم و ہمت کی روشن دلیل ہے۔

چیچن معاشرہ طبقاتی امتیازات سے پاک ہے۔ ہر شخص مساوی حقوق رکھتا ہے' حالیہ جنگ میں جب ایک مجاہد سے پوچھا گیا کہ اس کا کمانڈر کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں اپنا کمانڈر خود ہوں' یہاں ہر شخص کمانڈر ہے۔ اس معاشرے میں عزت کا صرف ایک معیار ہے کہ کون شخص کتنا بہادر ہے اور وہ میدان جنگ میں کس قدر شجاعت اور جرات کا مظاہرہ کرتا ہے۔

چیچن کی تمام آبادی کو ۱۹۴۴ء میں وطن بدر کر دیا گیا تھا۔ انہیں قازقستان میں لا کر آباد کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں چیچن جمہوریہ کو ختم کر دیا گیا تھا جو زمین اور گھر یہ چھوڑ گئے تھے ان کی جگہ روسی آباد کار لائے گئے۔ ان کی تعمیر کردہ مساجد جن کی تعداد تین ہزار تھی اور ڈیڑھ سو دینی مدارس کو بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۷ء میں انہیں واپس آنے کی اجازت مل گئی تھی لیکن اس طرح ان کی زمینوں اور مکانوں پر دوسرے لوگ قابض تھے۔ وہاں ۳۰ فیصد روس آج بھی آباد ہیں جن کی اکثریت اسی دور میں لا کر بسائی گئی تھی۔

یکم نومبر ۱۹۹۱ء کو چیچن کے منتخب صدر ریٹائرڈ میجر جنرل جعفر داؤد نے روسی فیڈریشن سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس سے پہلے ستمبر میں وہ چیچن کے صدر منتخب ہو چکے تھے۔ اس اعلان آزادی نے روس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ روس کے اندر بسنے والے آزادی پسند مسلمان جعفر داؤد سے جذبہ عمل حاصل کر رہے ہیں۔ جعفر داؤد روس کی فضائیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے فضائی مشترکہ کمان کے کمانڈر کی حیثیت سے کام کیا۔ وہ روس کی ایٹمی تنصیبات اور دیگر حساس اداروں کے ساتھ وابستہ رہ چکے ہیں۔ حکومت بناتے ہی انہوں نے اپنے تمام ارکان سے قرآن پر اس بات کا حلف لیا ہے کہ ان میں کوئی بدعنوانی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ ان کے خلاف بغاوت بھی ہوئی لیکن روس کی مدد کے باوجود یہ بغاوت کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس بغاوت کے ناکام ہونے پر ہی روس نے چیچن پر حملہ کیا ہے۔

چیچن میں اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں پہنچ چکا تھا۔ تاہم زیادہ بڑی تعداد میں یہ سولہویں صدی کے دوران دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ انیسویں صدی میں انہوں نے امام شامل" کی قیادت میں کئے جانے والے جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ اس دوران ان کی زمینوں پر روسیوں نے قبضہ کیا تو ان میں سے کچھ تعداد ترکی جا کر آباد ہو گئی جبکہ خاصی بڑی تعداد مسلسل حالت جنگ میں رہی۔

چیچن اور جہاد دونوں لازم و ملزوم رہے۔ پہلے زار روس کے دور میں یہ سلسلہ جاری رہا جب کہ بعد میں اشتراکی روس میں سٹالن کے دور میں ان سب کو ٹرینوں میں بھر کر دور دراز علاقوں میں آباد کر دیا گیا اور انہیں بے گھر کر دیا گیا۔ یہ مظالم بھی ان کے جذبہ جہاد کو سرد نہیں کر سکے۔ حالیہ جنگ بھی اسی کا ایک مظہر ہے۔

چیچن کا قومی ترانہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ہے۔ ان کی اکثریت نقشبندیہ اور قادریہ سلسلوں سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اجتماعی ذکر کرتے ہیں۔ روسی فوج کے ہیڈ کوارٹرز کو گھیرے میں لے کر وہ تین روز تک مسلسل ذکر کرتے رہے۔ روس کی فوج غیر مشروط طور پر تمام ہتھیار چھوڑ کر فرار ہو گئی۔ چیچن نے موجودہ جنگ کے دوران یہ حکمت عملی رکھی ہے کہ وہ گروزنی کا دفاع کر رہے ہیں اگر کسی وجہ سے انہیں شہر چھوڑنا پڑا تو وہ پہاڑوں میں پناہ لے کر روس کی افواج کو ناکوں چنے چبوائیں گے۔

چیچن آزادی کے متوالے ہیں۔ گذشتہ تین برسوں

باقی صفحہ نمبر ۳۶ پر

صقارہ کالج لاہور کا پس منظر اور مقصد قیام

محمد عبداللہ بودلہ (صقارین)

پاکستان کے شہر لاہور اور لاہور کی پر رونق ٹاؤن شپ مارکیٹ کے قریب اکبر چوک سے جنوب کی سمت میں تقریباً" چار کلومیٹر کے فاصلے پر اویسیہ سوسائٹی آباد ہے۔ جو کہ سائنس کالج روڈ سے ذرا ہٹ کر ہے۔ سب سے پہلے اس سوسائٹی کو حضرت مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق بنایا گیا اور اس سوسائٹی میں ہی آج کل کی نوجوان نسل کی دینی و دنیاوی تربیت اور ترقی کے لئے کالج بنایا گیا ہے۔ جس میں نوجوانوں کو دنیا میں کامیابی کے ساتھ ساتھ دینی اور روحانی تربیت کی جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پوری دنیائے اسلام میں یہ واحد ادارہ ہے جو سقارہ کالج کے نام سے مشہور ہے صرف یہ کالج خلوص دل اور نیک نیت سے طلباء کو تعلیم دے رہا ہے۔ اس کالج کا مقصد دولت کمانا نہیں بلکہ آخرت میں نوجوانوں کو سرخرو کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ کالج کی بنیاد ڈالنے سے پہلے کا پس منظر بھی کچھ بتاتا چلوں۔

ضلع میانوالی کے ایک عظیم عالم ربانی نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ اسلام کی تبلیغ میں گذارا۔ اپنی زندگی کے سفر میں اس ہستی نے ایک چیز کی کمی محسوس کی وہ تزکیہ ہے۔ خدا کے بندے نے اس مقصد کو اپنی محنت شوق اور کوشش سے چند سالوں میں حاصل کر لیا۔ تزکیہ کو پانے کے لئے انہوں نے جس شعبے سے کام لیا اس کا نام تصوف ہے اور تصوف میں تزکیہ کے لئے ذکر الٰہی کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ نے یہ مقصد دوسروں تک پہنچانے کا ذمہ قبول کیا۔ شروع شروع میں چند لوگوں کو ذکر الٰہی کی تربیت دی۔ 1992ء تک یہ ایک منظم ادارہ بن چکا تھا جو ادارہ نقشبندیہ اویسیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اور چند سالوں میں اپنی جماعت کا رسالہ "المرشد" جاری کیا۔ اب ضرورت ایک مرکز کی تھی جو کہ پرفضا مقام منارہ ضلع چکوال میں بنایا گیا جس کا نام دارالعرفان رکھا گیا۔

شیخ کامل رحلت فرما گئے۔ تو ان کے قریبی شاگرد حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ عالی نے ان کے حکم کے مطابق ان کے مشن کی سرپرستی سنبھالی اور ذکر الٰہی کراتے رہے۔ لیکن آپ نے محسوس کیا کہ بوڑھے لوگوں کو ذکر الٰہی سکھانے کے علاوہ آج کی نئی نسل کو خدا کے قریب لایا جائے تاکہ ان کا تعلق بھی اللہ سے جڑ جائے۔ لہٰذا دارالعرفان میں ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام "سقارہ اکیڈمی" ہے۔ جس میں آٹھویں سے دسویں تک طلباء کو تعلیم دینے کا فیصلہ کیا گیا اور ان کی دینی، عملی اور روحانی اصلاح بھی ساتھ ساتھ کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اس ادارے کا افتتاح سابق صدر جناب ضیاء الحق مرحوم نے کیا۔ ادارے کو بنے چند سال ہوئے ہیں۔ ہر سال پہلی تین پوزیشنوں میں سے راولپنڈی بورڈ میں۔ وہ سقارہ اکیڈمی کی

ہوتی ہیں۔ اس کے
بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ صقارہ اکیڈمی کا سینئر سیکشن کھولا جائے۔ جس میں نوجوان طلباء کو ڈگری تک تعلیم دی جائے تاکہ یہاں سے جا کر یہ طلباء معاشرے کے بہترین انسان ہوں۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صقارہ کالج کی بنیاد اویسیہ سوسائٹی لاہور میں رکھی گئی۔ اس کالج کا افتتاح حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ عالی سربراہ صقارہ نظام تعلیم نے بمطابق سترہ محرم 1708 ھج گیارہ ستمبر 1987ء کو اپنے دست مبارک سے کیا اور ایف اے کی کلاسز شروع ہو گئیں۔ وسائل کم ہونے کے باوجود صقار کالج کی عمارت کو مکمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب اس کالج کے پہلے پرنسپل بنے' صقارہ کالج میں تعلیمی معیار اور روحانی ترقی کی شہرت مختلف شہروں تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں ملتان' کراچی' پشاور' گوجرانوالہ سرفہرست ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ادارہ پوری دنیا میں نہیں مل سکتا۔ جو طلباء کو اس محنت سے تعلیم دے۔ بہت سے طلباء صقارہ کالج میں داخلہ لینے کے لئے بے تاب تھے اور دو دو سال سے اس ادارے کے شروع ہونے کا انتظار کرتے ہوئے اپنی تعلیم کو چھوڑ کر گھر بیٹھے رہے۔ وہ سوچتے تھے کہ باہر کے کالجز میں ایم اے کرنا اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنا صقارہ کالج سے صرف ایف اے پاس کر لینا ہے۔ ان طلباء میں شوکت حسین کا نام سرفہرست ہے۔ جس نے صقارہ اکیڈمی سے میٹرک کا امتحان دیا اور راولپنڈی بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کرنے کے باوجود گھر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ صقار کالج کی کلاسز شروع ہوں۔ اس طرح دو سال کے بعد اس طالب علم نے صقارہ کالج میں فرسٹ ایئر کلاس میں داخلہ لیا۔ اس طالب علم کا تعلق ملتان سے ہے۔ دوسرے دو طالب بلم جو کہ ضلع ملتان سے تعلق رکھتے ہیں اور تحصیل شجاع آباد کے رہنے والے ہیں۔ ولید احمد بودلہ اور رومان الحق بودلہ۔ جب انہوں نے صقار کالج کے بارے میں سنا تو ولید احمد جو اپنی تعلیم تھرڈ ایئر میں جاری رکھے ہوئے تھا چھوڑ کر صقارہ کالج میں فرسٹ ایئر میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح رومان الحق بودلہ جو کہ سیکنڈ ایئر کا امتحان دے چکا تھا یہاں آکر فرسٹ ایئر میں داخل ہوا۔ ان کے علاوہ بے شمار طلباء ایسے ہیں جو اس طرح اس کالج میں داخل ہوئے ہیں آخر کیا وجہ ہے کہ طلباء یہاں آنا پسند کرتے ہیں اس کی بہت سی وجوہات ہیں سب سے اہم بات کہ اس گئے گذرے دور میں واحد ادارہ ہے جو طلباء کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی کی منازل طے کراتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کالج میں سیاست نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہر طالب علم ایک دوسرے سے تعلیم میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پروفیسرز صاحبان طلباء کو والدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتے۔ ان کی تمام تر توجہ طلباء کی تعلیم پر ہوتی ہے۔ طلباء کی ججھک کو ختم کرنے کے لئے ہر طالب علم کو اسٹیج پر آنے کا موقع دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہر طالب علم بڑے بڑے اجتماعات میں بلا ججھک بول سکتے ہیں۔ صقارہ کالج کی وسیع عمارت کے ساتھ ہی ہاسٹل کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ ایک کمرے میں چار طلباء کے رہنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ طلباء کو ہر طرح کی سہولت دی گئی ہے۔ طلباء کی تفریح کے لئے ٹی وی کا انتظام کیا گیا ہے جس پر ان کو معلوماتی پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ صقارہ کالج کی تعلیم کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ پہلے سال جب فرسٹ ایئر نے بورڈ کا امتحان دیا تو نتیجہ میں پورے لاہور شہر کے کالجز کا نتیجہ تقریبا" چھبیس فی صد رہا جبکہ صقار کالج واحد ادارہ تھا جس کا نتیجہ پچھتر فی صد رہا۔ جس کی کامیابی کی شہرت لاہور کے ایجوکیشنل بورڈ تک پہنچی اور پاکستان کی تعلیمی ٹیموں نے اس ادارے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور تقریبا تعلیمی بورڈ پنجاب اور مختلف ملکی ٹیمیں اس کالج کو دیکھ چکی ہیں اور اس طرح اس کالج کا نام ہمارے ملک کے تعلیمی بورڈز تک پہنچ چکا ہے۔ اپنی کامیابی کے ساتھ ساتھ کالج نے اس حد تک ترقی کی کہ دو سال پہلے گیارہ فروری 1992ء کو اقوام متحدہ کے ادارے UNESCO

باقی صفحہ نمبر ۳۱ پر

اللہ کا قہر

خواجہ عبدالحامد بٹ، اسلام آباد

کراچی جل رہا ہے۔ مالاکنڈ میں خون کے فوارے ابل رہے ہیں۔ لاہور کی مساجد اور امام بارگاہوں میں بم پھٹ رہے ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا قہر ہے۔ جو پاکستانی مسلمانوں پر نازل ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے غیر اسلامی بلکہ اسلام کے خلاف، تہواروں کو بڑے تزک و احتشام سے مناتے ہیں۔ جب تک ہم ان حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے موجودہ حالات میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔

پہلے میں فرسٹ اپریل فول (First April Fool) کا تذکرہ کرتا ہوں۔ یہ رسم بہت سارے پاکستانی مناتے ہیں۔ دراصل یہ تہوار اس واقعے کی یاد دلاتا ہے جس دن سپین سے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا۔ یہ دن اصل میں مسلمانوں کی تذلیل کا دن ہے۔ مگر ہمیں اسے منانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں!

دوسرا تہوار ہے بسنت کا۔ اس تہوار کو ہم پاکستان بھر میں مناتے ہیں۔ اس پر لاکھوں کا خرچ اٹھتا ہے اور کئی قیمتی جانیں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔

ہندو، بسنت کو بطور ایک بڑی قربانی کے مناتے ہیں، جو ایک ہندو، حقیقت رائے نے بقول ان کے، ہندو مت کی اسلام پر، برتری ثابت کرنے کے لئے دی تھی۔ حقیقت رائے، مغلوں کے دور میں لاہور کے ایک سکول میں زیر تعلیم تھا۔ اس (بدبخت) نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو (خاکم بدہن) گالی دی۔ ہندوؤں کے مطابق، یہ اس لئے ہوا کہ کسی مسلمان لڑکے نے رام کو گالی دی تھی اور حقیقت رائے نے بطور ردعمل یہ حرکت کی تھی۔ مسلمانوں نے پہلی بات کی تردید کی ہے۔ تاہم ہندو اور مسلمان، اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقت رائے نے بکواس کی تھی۔

ایک قاضی نے حقیقت رائے کو موت کی سزا سنائی۔ اپیل، اورنگ زیب بادشاہ کو کی گئی۔ بادشاہ نے فیصلہ دیا کہ اگر حقیقت رائے، اسلام قبول کر لے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ بصورت دیگر اسے پھانسی دی جائے۔ حقیقت رائے کا فیصلہ تھا "کہ وہ بطور ہندو مرے گا بجائے اس کے کہ وہ بطور مسلمان زندہ رہے۔" حقیقت رائے کی اس "عظیم قربانی" کو ہندوؤں نے بسنت کا نام دیا اور اب یہ تہوار سارے ہندوستان میں پتنگیں اڑا کر کیا جاتا ہے۔

ہندو مجرم، حقیقت رائے کو، لاہور میں گھوڑے شاہ میں پھانسی دے دی گئی۔ یہ ایک کھلی گراؤنڈ تھی جو سکھ نیشنل کالج کے عقب میں تھی۔ آج کل انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کی توسیع شدہ جگہ ہے۔ پھانسی کی جگہ ایک بڑا "بسنت مندر" تعمیر کیا گیا تھا۔ جو 1950 تک موجود تھا۔

تمام ہندوستان سے ہندو اس جگہ پر ہر سال اکٹھے ہوتے اور پتنگیں اڑا کر بسنت مناتے۔ میں نے بھی آزادی سے پہلے کئی بار اس تہوار میں شرکت کی۔ بعد میں کچھ لوگوں نے اس مندر کو گرا دیا بلکہ اس کی بنیادیں بھی ختم کر دیں۔

ہندو اس پاک سرزمین سے کوچ کر گئے تو ان کی جگہ پاکستانی مسلمانوں نے لے لی۔ یعنی بسنت منا کر مسلمانوں کی تذلیل کرنا، کیا کوئی فعل اس سے بڑھ کر بھی شرمناک ہو سکتا ہے؟

بقیہ: چیچن کا جہاد

سے ان کی آزاد مملکت کو کسی نے تسلیم نہیں کیا لیکن اس بات کی قطعاً" پرواہ نہیں۔ انہیں چاروں طرف سے گھیرا گیا ہے لیکن اس معاشی ناکہ بندی کے باوجود ان کے حوصلے بلند ہیں۔ ان کے مجموعی حالات اس دوران پہلے سے بہتر ہوئے ہیں۔ ان کی زراعت پہلے سے بہتر ہوئی اور انہیں کسی قسم کی غذائی کمی نہیں ہوئی۔ چیچن کے تمام حالات کرامات کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایمان کی برکات کو کسی نے عملی طور پر دیکھنا ہو تو وہ چیچن کو دیکھے۔ امام شاملؒ اور شیخ منصورؒ کا سلسلہ آج بھی تابندہ و پائندہ ہے اور انشاء اللہ چیچن کے بلند و بالا پہاڑوں کی طرح ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔

آپ نے پوچھا

سوال :- کیا مراقبہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سالک اپنی حاجت کے لئے درخواست کر سکتا ہے جبکہ اسے مشاہدہ نہ ہوتا ہو؟

جواب :- میرے بھائی ہم نے بزرگوں کو بھی دیکھا ہے اور اپنی عمر کا بھی الحمد للہ بہت سا حصہ اس راستے میں صرف ہو گیا ہے۔ گذارش کرنے میں کوئی شرعاً قباحت تو نہیں ہے لیکن کسی بھی فنا فی الرسول جس بندے کو نصیب ہو میرے خیال میں اس میں اتنی جرات ہی نہیں رہتی کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ کوئی دنیاوی بات کر سکے۔ اس بات کا اور اس بارگاہ کا جب آپس میں میل دیکھا جاتا ہے تو اس میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی کسی کو چیونٹیاں مارنے کے لئے توپ چلاتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا۔ یہ الگ بات ہے کہ جنہیں فنا فی الرسول نصیب ہو۔ اللہ ان کی سن لیتے ہیں اللہ ہر ایک کی سن لیتا ہے انہیں ذرا زیادہ توجہ نصیب ہوتی ہے۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ بندہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیر بحث لائے یا پیش کرے۔ میں آپ کو یہ صاف کہہ دوں کہ مجھ میں یہ ہمت کبھی نہیں ہوئی اور نہ یہ جرات میں نے کبھی حضرت میں دیکھی تھی۔ پچیس برس سے زیادہ میرا ساتھ رہا۔ حضرت جی کی خدمت میں تو کبھی کسی ایسی بات کو زیر بحث لانے کی نوبت نہیں آئی بلکہ آتی نہیں۔ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جب حضور ہوتے ہیں تو اس کی اپنی ایک کیفیت، اس کا اپنا ایک رنگ ہوتا ہے۔ وہاں دنیا تو دنیا بندے کو تو آخرت بھولی ہوئی ہوتی ہے۔ اسے اس مجلس کا کیف ہی کیف رہ جاتا ہے باقی تو کچھ رہتا نہیں۔ تو یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں اور اللہ کریم نے ان کے لئے اجازت بخشی ہے کہ ہر وقت اس سے مانگی جائیں اور دعا میں بڑا یہ فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً آپ سڑک پر کھڑے ہو کر دعا کر رہے ہیں اس کا ایک اور حال ہے آپ مسجد میں آکر دعا کرتے ہیں تو اس جگہ کی تبدیلی سے بھی آپ کے مانگنے میں فرق پڑ جائے گا۔ اسی طرح دعا کے اثر میں بھی فرق پڑ جائے گا۔ اسی طرح آپ کسی طرح اکیلے بیٹھیں یا دس بندوں کے ساتھ مل کر کرتے ہیں تو اس میں ایک اور کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح آپ کسی نیک یا شیخ یا استاد کے ساتھ مل کر اپنے لئے دعا کرتے ہیں تو اس میں ایک اور کیفیت آ جائے گی اور اگر فنا فی الرسول نصیب ہو تو اس کیفیت میں جب آپ دعا کرتے ہیں تو ظاہر ہے اس کی وہ برکات اس میں شامل ہوں گی اس کا ایک اور حال ہو جائے گا۔ تو بہرحال سیدھا طریقہ یہی ہے کہ اپنی حاجات اللہ کریم کے حضور ضرور پیش کی جائیں اب اس کے سوال کے ساتھ ایک دوسرا جز بھی ہے جب کہ اسے

مشاہدہ نہ ہو۔ مشاہدہ سب کو نہیں ہوتا اور میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ مشاہدے کی طلب میں لوگوں نے بندوں کو تنہائی میں رکھنا' غذا کم کھانا' سونے کا وقت نہ دینا پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیاوی امور سے کٹ گئے۔ مشاہدہ تو رہ گیا لیکن ان کی عملی زندگی ختم ہو گئی۔ معاشرے میں جو وہ حصہ لیتے تھے وہ ختم ہو گیا۔ جب عملی زندگی ختم ہوتی ہے تو وہ مشاہدہ تو رہ جاتا ہے ترقی درجات ختم ہو جاتی ہیں یا آگے ترقی نہیں ہوتی۔ چونکہ اس کا انحصار تو عملی زندگی پر ہے اور آخرت کا معیار تو ترقی درجات کے اعتبار سے ہو گا۔ مشاہدے کے حساب سے تو نہیں ہو گا۔ مشاہدہ تو جب موت آتی ہے تو کافر کو بھی ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا فرشتوں سے باتیں کرتا ہے' فرشتے دیکھتا ہے' آخرت کو دیکھتا ہے۔ مشاہدہ تو ایک ہو جانے والا کام ہے بات تو یہ ہے کہ جب مشاہدہ ہو گا تو نظر کیا آئے گا' اس کے پاس کیا ہو گا' اس لئے ہمارے ہاں ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ہر بندے کو مشاہدہ ہو بلکہ مشاہدہ ہو جائے اللہ کا احسان ہے نہ بھی ہو تو وہ کیف اور حال اس کی ضرورت ہے وہ اس کے پاس ہونا چاہئے۔

سوال :۔ اگر کوئی سالک اپنے دن رات زیادہ مسجد نبوی میں مشغول رہے تو کیا اسے دربار رسالت سے مسلسل فیض حاصل ہوتا ہے؟

جواب :۔ صرف فیض حاصل نہیں ہوتا رہے گا بلکہ دو عالم کی ساری مصیبتوں سے نجات کا سب سے آسان ذریعہ ہے۔ یہ صرف اگر آدمی درود شریف بطور وظیفہ پڑھتا رہے اسے فنا فی الرسول نہ بھی نصیب ہو تو بھی حدیث شریف میں موجود ہے کہ دو عالم کی حاجات کے لئے سب سے اچھا وظیفہ یہی ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے وظائف کے لئے اتنا وقت مختص کیا ہوا ہے روزانہ کچھ وقت۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں دو گھنٹے چار گھنٹے جو ہیں وہ میں روزانہ وظائف پر لگاتا ہوں اور اس میں چوتھا جو حصہ وقت کا ہے میں درود شریف پڑھا کرتا ہوں۔ اجازت لینا چاہتا تھا کہ اگر یہ ٹھیک ہے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم درود زیادہ کر لو۔" تو اس نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آدھا وقت درود پہ لگا دوں باقی آدھا وقت باقی وظائف پر۔" تو فرمایا "اگر اس سے زیادہ کر سکو۔" تو اس نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تین حصے وقت درود کے لئے مختص کر لیتا ہوں اور ایک حصہ باقی وظائف کے لئے ہے۔" آپ نے فرمایا "کیا اس سے اگر زیادہ کر لو۔" تو کہنے لگا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے زیادہ تو یہ ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف درود ہی پڑھتا رہا کروں۔" فرمایا "اگر تم ایسا کرو تو نہ صرف دنیا کی حاجات پوری ہوں گی بلکہ آخرت کی حاجات کو بھی کفایت کرے گا۔" تو اگر کسی کو اکثر وقت اس کا فنا فی الرسول میں درود شریف پڑھتے ہوئے گذرے تو میرے خیال میں مانگنے کی نوبت نہیں آتی۔ دو عالم کی حاجت روائی کے لئے ہر کیفیت کافی ہے۔

سوال :۔ ذکر لسانی درود شریف کلمہ استغفار وغیرہ تسبیح پر پڑھنا زیادہ اچھا ہے یا کاؤنٹر پر پڑھنا زیادہ اچھا ہے؟

جواب :۔ میاں تسبیح بھی اور کاؤنٹر بھی یہ ساری بعد کی چیزیں ہیں۔ عہد نبوی میں تسبیح بھی نہیں تھی۔ صحابہ کرام کھجور کی گٹھلیوں وغیرہ پر گن لیتے تھے۔ وہ بھی اس لئے کہ جب ایک تعداد مقرر کر لی جائے ہے تو اس میں یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی کم از کم اتنا ضرور پڑھتا ہے اگر وہ تعداد مقرر نہیں کرتا تو کسی دن تو زیادہ پڑھ لیتا ہے کوئی دن خالی بھی چلا جاتا ہے۔ پڑھ لیں گے ہو جائے گا اس میں ضائع ہو جاتا ہے۔ اس میں تسبیح بجائے خود یا کاؤنٹر بجائے خود کوئی چیز نہیں یہ مذکر ہیں یعنی ہاتھ میں ہوں گے تو ذکر کرانے کا سبب بنے رہتے ہیں۔ اور تسبیح ہو یا کاؤنٹر اس پر جب آپ مقرر کر لیتے ہیں کہ مجھے پانچ سو پڑھنا ہے تو آدمی کم از کم پانچ سو دفعہ پڑھتا تو ہے مقرر نہیں کرے گا تو کسی دن سو پڑھے گا' کسی دن ہزار' کسی دن رہ ہی جائے گا پڑھے گا

نہیں تو اس میں میں نہیں سمجھتا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ سارے بزرگوں کے پاس تسبیح ہوتی تھی اس وقت کاؤنٹر تھے نہیں۔ اب کاؤنٹر آ گئے۔ تسبیح بھی شمار ہی کرتی ہے کاؤنٹر بھی شمار ہی کرتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی قیدیں اپنے اوپر لگانا کوئی زیادہ مناسب بات نہیں ہے۔ چونکہ کوئی ایسا حکم قرآن میں یا سنت میں موجود نہیں ہے کہ اس طرح کی تسبیح بنائی جائے اور اس پر پڑھا جائے بلکہ اگر کوئی ملتا ہے حکم تو شمار کا ملتا ہے اتنی دفعہ فلاں کلام پڑھ لو اس کے ساتھ یہ قید نہیں ہے کہ تم نے کس چیز پر گنی۔ یہ خواہ مخواہ اپنے اوپر اس طرح کی قیدیں لگانے کا میں نہیں سمجھتا کہ کچھ زیادہ فائدہ ہو گا۔

سوال :۔ صاحب حال سالک سے کیا مراد ہے؟

جواب :۔ صاحب حال سالک سے مراد یہ ہے کہ وہ سلوک جو ہے یا وہ اللہ اللہ جو ہے یا اس کی کیفیات جو ہیں اس کے کردار میں' اس کے حال میں' اس کے لین دین میں' اس کے بول چال' اس کی زندگی میں نظر آئے۔

سوال :۔ شیخ کے ساتھ ملاقات کر لینے کے بعد دوسری ملاقات کتنے عرصے بعد کرنی چاہئے؟

جواب :۔ یہ بڑے مزے کی بات ہے میرے بھائی مجھے بڑا اچھی طرح اس بات کا تجربہ ہے ہم جب حضرت سے ملتے تھے تو بالکل ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جیسا کسی پیاسے بندے نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا ہو۔ رفتہ رفتہ ہر دن اس میں تھوڑی تھوڑی کمی ہوتی جاتی تھی۔ پھر ایک وقت ایسا آتا تھا کہ ایک بے قراری سی لگ جاتی۔ ایسا سمجھ آتا تھا پیاس بڑھ گئی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ دوسرے بندے کے محسوسات کیا ہوں اور ہفتہ' ڈیڑھ ہفتہ' دو ہفتے زیادہ سے زیادہ نکل جاتے تھے۔ اس سے زیادہ وقت نہیں گذارا جا سکتا تھا۔ اب کس کا کیا حال ہوتا ہے وہ ہر ایک بندے کی اپنی نسبت ہوتی ہے۔ تو کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی ساری زندگی وہیں صرف ہو جاتی ہے۔ وہ جب اٹھتا ہے تو اس کی پیاس بڑھنے لگتی ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ نگاہ دیکھ لے تو شاید سال گذارا کر لے۔ بات دنوں کی نہیں میرے بھائی رشتوں کی ہے۔ کون کتنا پھنسا ہوا ہے۔ کون کتنا اس میں غرق ہے کون کتنا مجبور ہے۔ محبت کے پیمانے دنوں اور گھڑیوں سے نہیں ناپے جاتے' کیفیات سے ناپے جاتے ہیں۔ ایک چیز سے ایک آدمی جنون کی حد تک محبت کرتا ہے کہ اسے ہر وقت دیکھتا ہی رہے' دوسرا اسے اچھائی سمجھتا ہے نظر آ گئی دیکھ لی نہ نظر آئی' ماشاء اللہ وقت گذر رہا ہے۔ تو کون سا جنون میں کتنا پھنسا ہوا ہے یہ ہر شخص کی ایک اپنی کیفیت ہوتی ہے۔ تو بہرحال شیخ کے ساتھ جتنا تعلق' جتنی الفت' جتنی نسبت اور جتنے زیادہ لمحات نصیب ہوں۔ ہر لمحہ اپنی ایک الگ قیمت رکھتا ہے۔ زندگی کے اس طوفانوں میں اور ہا ہمی میں اللہ کے بندوں کو یہ لمحے چھینتا پڑتے ہیں۔ اس ساری ہاہو میں اس طرح محنت کر کے روپیہ کمانے کے لئے جان توڑ کر کام کرتے ہیں۔ جس طرح ایک طالب علم امتحان کے لئے جان توڑ کے محنت کرتا ہے۔ اس طرح ایک تاجر دور دراز سفر کر کے اپنی تجارت کو کامیاب کرنے کے لئے' اسی طرح سالک کو بھی بہت سے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں۔ شیخ کے ساتھ چند لمحات بسر کرنے کے لئے۔ ایک بات میں اور عرض کرتا چلوں کہ شیخ کی صحبت کو وہ چوپال کی صحبت یا ہوٹل کی یا کانا خانے کی صحبت نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہاں بیٹھیں اور گپیں لگائیں اور وہ ہنسی مذاق ہو تو وہ صحبت ہے نہیں شیخ کے ہاں پہنچ رہنا' خلوص سے بیٹھ رہنا اور توجہ کا حصول اصل مقصد ہے اور شیخ کی صحبت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ شیخ سے براہ راست توجہ کر کے ذکر کرنا نصیب ہو جائے۔ اگر یہ اتنی فرصت بھی نہ ملے تو دیکھنا ملنا چند لمحے وہاں جہاں ذکر ہوتا ہے وہاں بیٹھنا نصیب ہو جائے تو بھی بڑی حد تک پیاس بجھ جاتی ہے۔ تو ہم اس میں بھی گڈنڈ کر دیتے ہیں۔ ہم شیخ کی صحبت کو سمجھتے ہیں جس طرح ہم جیسے چوپال میں ہم لوگوں کے ساتھ گپ لگانے کے لئے بیٹھے ہیں یا کانا خانے میں جاتے ہیں تو دوستوں کی مجلس ہوتی ہے اس طرح کی کوئی مجلس شیخ کی ہو

وہ مجالس شیخ کی نہیں ہوتیں۔ شیخ کی مجالس بھی عجیب ہوتی ہیں جہاں شور بھی خاموشی کا ہی ہوتا ہے۔ کیوں کا نہیں ہوتا چونکہ یہ کیفیات کی ایک انعکاس ہے ایک Transmit کرنے کا عمل ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ اس کے انعکاس کا عمل ہے۔ یہ دلوں دلوں کی باتیں ہوتی ہیں اور دنیاوی امور کی ان میں نہیں ہوتیں۔ اللہ کریم ہمیں صحیح سمجھ اور قوت عمل عطا فرمائے۔

سوال :- چند دن پیشتر جناب نے بیان میں فرمایا تھا کہ کفار کا مسلمانوں پر غلبہ یا فوقیت مادی وسائل کی زیادتی کے باعث نہیں بلکہ مسلمانوں کی ایمان کی کمی کے باعث ہے وہ آیت مبارکہ یاد نہیں؟

جواب :- بھئی آیت تو مجھے بھی یاد نہیں کہ کس آیت پہ اس دن درس ہو رہا تھا لیکن میں نے پورا تجزیہ کر کے میں نے صرف یہ جملہ نہیں کہا تھا میں نے تجزیہ کیا تھا افرادی قوت کا بھی، مادی وسائل کا بھی اور آج کا جو تجزیہ یا جو اعداد و شمار ہیں مغربی اور غیر مسلم دنیا کے ان کے مطابق بھی مادی وسائل جو ہیں۔ مسلمانوں کے پاس زیادہ ہیں۔ اس میں آپ کو آیت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مادی وسائل کے اعتبار سے پچھلے سال جو اس کا وسائل کا تجزیہ شائع ہوا تھا امریکہ والوں کا اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ دنیا کے مادی جو وسائل ہیں ان کا چھیالیس فی صد مسلمانوں کے پاس ہے لیکن یہ انہوں نے ڈنڈی ماری تھی یعنی جتنا وہ کم کر سکتے تھے کہ مسلمان اس پر نکڑے نہ ہو جائیں جتنا کچھ وہ گھٹا سکتے تھے اتنا جھوٹ بول کر گھٹا کر انہیں پھر بھی چھیالیس فی صد کہنا پڑا ورنہ دنیا کا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ مادی وسائل میں سب سے پہلے افرادی قوت آتی ہے پھر اس کے بعد رزق کی باری آتی ہے۔ سرمائے کی باری آتی ہے۔ لینڈ سکیپ کی باری آتی ہے تو آپ افرادی قوت کے اعتبار سے دیکھیں تو دو سو کروڑ مسلمان دو ارب مسلمان ہیں جبکہ چھ ارب سے دنیا کی آبادی کم ہے یعنی ہر تیسرا بندہ مسلمان ہے اور باقی دو بندوں میں دنیا کی کتنی قومیں ہیں۔ آپ دنیا کے قوموں کی لسٹ بنائیں تو چار ارب آبادی میں کتنی قومیں ہیں اور دو ارب صرف ایک قوم ہیں۔ مسلمان افرادی قوت میں یہ زیادہ ہیں۔ دنیا کا نقشہ پھیلا کر دیکھیں اور اس میں دیکھیں کہ اس میں زرخیز میدان، برفانی چوٹیاں، خوبصورت دریا اور پھلوں سے لدی ہوئی وادیاں جو ہیں وہ کس کے پاس ہیں۔ پوری دنیا میں نقشہ پھیلا کر دیکھیں تو اسی فی صد حصہ مسلمانوں کے پاس ہے۔ کافروں کے پاس دنیا کا یا بہت جنوبی علاقہ ہے یا انتہائی شمالی علاقہ ہے جہاں دس دس مہینے برف پڑی رہتی ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس چھوٹے سے مسلمانوں کے ملک پاکستان کو دیکھیں۔ اس میں کنارے سمندر بندرگاہ اور کنارہ سمندر موجود ہے دریا اور دریاؤں کے میدان اور صحرا موجود ہیں اور اس میں ہمالہ کی چوٹیوں کے برف پوش پہاڑ موجود ہیں۔ یعنی اس چھوٹے سے ملک میں دنیا کا ہر وہ موسم موجود ہے اور دنیا کا ہر پھل موجود ہے۔ ہر لینڈ سکیپ، ہر موسم اور ہر پھل موجود ہے۔ برف پوش چوٹیوں سے لے کر صحرا تک اس چھوٹے سے ٹکڑے میں موجود ہیں کسی دوسرے ملک میں برف ہو گی تو صحرا نہیں ہو گا۔

سمندری جتنی بہترین بندرگاہیں ہیں وہ ساری مسلمانوں کے پاس ہیں۔ گرم پانیوں کے مالک بھی مسلمان ہیں۔ دنیا کے مشرق سے لے کر مغرب تک چلتے جائیے۔ تو غیر مسلم دنیا کے پاس جو وسائل اور ذرائع ہیں وہ مسلمانوں کی نسبت کم ہیں۔ یہاں پر ایک اور مغالطہ دیا جاتا ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں پیچھے ہیں۔ یہ بھی جھوٹ ہے۔ پورے یورپ اور امریکہ میں چوٹی کے ڈاکٹر مسلمان ہیں، چوٹی کے وکیل مسلمان ہیں اور چوٹی کے **سائنٹسٹ** مسلمان ہیں۔ حتیٰ کہ دنیا کا سب سے بڑا امریکہ کا جو سائنسی ادارہ ناسا ہے جو روز یہ اڑا رہا ہوتا ہے راکٹ وغیرہ۔ اس کی جو سب سے ہائیر باڈی ہے وہ پانچ آدمیوں پر مشتمل ہے اس میں تین مسلمان Scientist ہیں۔ دو غیر مسلم ہیں۔ تو میں نے یہ سارا تجزیہ پیش کر کے کہا تھا کہ مسلمانوں کے پاس

وسائل کی کمی نہیں۔ اب ان کے پاس اگر کمی ہے تو ان کے مسلمان ہونے میں کوئی کمزوری نہیں ہے اور وہ ظاہر ہے کہ ہم ان سب وسائل کے باوجود کافر جیسا بننا اور کافر کے پیچھے چلنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں اور اسلام کو کبھی ہم قدامت پسندی اور کبھی وہ اس بنیاد پرستی اس طرح کا نام دیتے ہیں بلکہ میں کل پڑھ رہا تھا کہ جب نواز شریف وزیراعظم ہوا کرتے تھے تو انہوں نے بڑے زور سے کہا تھا کہ میں بنیاد پرست نہیں ہوں تو کل کسی اخبار نویس نے سوال کر دیا تو وہ انٹرویو میں کہہ رہے تھے کہ اسلام میں بنیاد پرستی سرے سے ہی کوئی نہیں۔ لو جی گل ای مک گئی۔ کل کا جو ان کا اخباری بیان تھا اس میں فرما رہے تھے کہ اسلام میں بنیاد پرستی ہے ہی نہیں حالانکہ دنیا میں واحد سکول آف تھاٹ اسلام ہے جو اپنی اسی بنیاد پر قائم ہے جس پر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا۔ یہ اس کے علاوہ کسی بات کو قبول ہی نہیں کرتا نہ اس سے کمی کرتا ہے اور نہ بیشی کرتا ہے۔ بنیاد پرستی مغرب والوں نے گالی اس لئے بنا دی ہے کہ وہ اپنی بنیادیں کھو چکے ہیں۔ ان کے پاس تو عیسیٰؑ کی سوانح حیات تک محفوظ نہیں۔ ان کے پاس اس کی کوئی شہادت ہی نہیں ہے۔ اس لئے آپ ہر عیسائی سے پوچھیں عیسیٰؑ کے بارے ایک نیا قصہ بتائے گا۔

کسی کو یقینی طور پر علم ہی نہیں ہے جو کتاب ان کے پاس ہے جسے کتاب مقدس کہتے ہیں۔ اس کی ساری جتنی کتابیں ہیں ان میں ایک لفظ خود ان کے مطابق عیسیٰؑ کا کہا ہوا نہیں ہے بلکہ ساری ان کے حواریوں کی کہی ہوئی باتیں ہیں۔ یعنی یہ ان کا دعویٰ ہی نہیں کہ یہ عیسیٰؑ نے براہ راست لکھا ہوا دیا یا لکھنے کا حکم دیا۔ بلکہ وہ جتنی ان کی اناجیل ہیں وہ کوئی کسی حواری سے یا کسی صحابی سے یا ان کے کسی شاگرد سے اس کا نام ہے اس شاگرد کا ہے اور ان کا اپنا دعویٰ ہی یہی ہے کہ ان لوگوں نے مرتب کیں۔ انہوں نے عیسیٰؑ سے سنیں براہ راست عیسیٰؑ کا اس سے کوئی تعلق نہیں چونکہ وہ اپنی بنیادیں کھو چکے ہیں۔ اسلام کے پاس اس کی بنیاد آج بھی اس طرح روشن ہے۔ جس طرح سورج روشن ہے کب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی کیا تھا۔ ان کا خاندان کیا تھا، کن لوگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پلے بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا، بنیادی دعویٰ کیا تھا، کس کلام کو آپ نے فرمایا یہ قرآن ہے، کس کلام کو آپ نے حدیث قرار دیا کیا، فرض ہے، کیا سنت ہے۔ الف سے ی تک من و عن ایک ایک چیز موجود ہے۔ اپنی اصلی اساس اور بنیاد پر اور اسی پر رہنا مسلمانی ہے۔ اس سے ہٹنا اسلام نہیں ہے۔ تو یہ چیزیں میں نے اس دن بھی تجزیہ کر کے پیش کی تھیں۔

سوال :- وکالت کے پیشہ سے متعلق مختصر شرعی نقطہ نگاہ کی وضاحت فرمایئے؟

جواب :- وکالت کا جو پیشہ ہے۔ اس کا بنانے والا ہی اسلام ہے۔ اسلام نے فقہ میں سب سے پہلے وکیل مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔ آپ یہ پڑھتے ہیں نکاح نامہ کے فارم میں دولہا کے وکیل، دلہن کے وکیل، وکیل کون ہوتا ہے جو اس بندے کے حقوق کے تحفظ کے لئے اس کی طرف سے اس کی اجازت سے بات کرتا ہے۔ تو وکالت کی بنیاد ہی اسلام نے رکھی اور وکیل لفظ ہی اسلامی اور عربی ہے۔ وکیل سے مراد اسلام میں یہ تھا کہ مثلاً" نکاح کے وقت اب خاتون مجلس میں جا کر یہ بات کرے کہ جی میرا نکاح کرو یا نہ کرو ایک بڑی مشکل بات تھی۔ خواتین کے لئے تو اسلام نے اسے وکیل اختیار کرنے کی اجازت دی کہ اس کا وکیل آ کر بتائے کہ میں اس کے ایماء پر کہہ رہا ہوں کہ نکاح کی اجازت ہے یا نہیں ہے یا اس اس شرط پر نکاح ہو سکتا ہے یا اتنا حق مہر ہو گا یا یہ شرائط ہوں گی وہ ہوں گی تو وہ وکیل تحفظ کرتا ہے اپنے موکل کے حقوق کا اس کی اجازت کے ساتھ۔ اب جب یہ ایک باقاعدہ پیشہ بن گیا تو اب اسی پر قیاس کریں کہ ایک ہر آدمی قانون کا فاضل نہیں ہوتا اب وہ کسی کو وکیل مقرر کرتا ہے کہ بھائی میری یہ زمین کا جھگڑا

ہے۔ یا میرا یہ لڑائی جھگڑا ہو گیا اس میں میری قانونی حیثیت کیا ہے اور قانون سے مجھے کیا رعایت یا حمایت ملنی چاہئے۔ تو وہ مجھے آپ میرے behalf اب آپ دیکھیں آج بھی وکیل اسرار کرنے کی دستخط کر کے دینے پڑتے ہیں۔ یہ میرا وکیل ہے۔ تو اس کام کی جب وکیل اجرت لیتا ہے تو اسے نہیں چاہئے۔ اس کے لئے حلال ہے کہ وہ دوسرے کے لئے کام کرتا ہے۔ اپنا وقت لگاتا ہے' اپنی محنت لگاتا ہے' اپنی اجرت لے سکتا ہے۔ اسلام صرف ایک بات سے منع کرتا ہے جو وکالت کی مسخ شدہ صورت آج ہے۔ کہ ناحق کو حق ثابت کرنے کے لئے جھوٹ بولا جائے اور اپنے موکل کو بھی جھوٹ پڑھایا جائے تو اسلام میں اس وکالت کی اجازت نہیں ہے یعنی اسلام میں وکالت جرائم پھیلانے کے لئے نہیں ہے تو کوئی جائز کام آپ وکالت میں نہیں کسی شعبے میں بھی کریں گے تو وہ ایسے ہی ہو گا۔ ہمارے بہت سے ساتھی وکیل بھی ہیں۔ بعض احباب نے یہ بھی چاہا کہ ہم ذکر کرتے ہیں وکالت چھوڑ دیں۔ میں نے کہا ذرا آپ کو چھوڑ دیا تو کون سا تیر مارا۔ آپ کی جگہ دس اور آ جائیں گے مزہ تو جب ہے کہ آپ ذکر کرتے ہیں تو آپ مقدمہ لینے سے پہلے خود تحقیق کریں کہ اس میں جس کا مقدمہ میں لے رہا ہوں یہ مستحق بھی ہے کہ نہیں۔ اگر اس کا حق بنتا ہے تو پوری دیانت داری سے اس کا مقدمہ لڑیں۔ اس سے آپ دوگنا فیس لے لیں بجائے دو جھوٹے مقدمے لینے کی بجائے ایک سچا مقدمہ لیں' محنت سے لڑیں لوگ آپ کو زیادہ فیس دیں گے۔ تو وکالت کے متعلق جو کچھ میں عرض کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ پیشہ تو اسلامی ہے اگر اسے مسخ نہ کیا جائے۔

سوال :- کیا برے اعمال سے روح کی شکل مسخ ہو کر جانور جیسی ہو جاتی ہے؟

جواب :- بالکل صحیح بات ہے کہ جانور میں بھی پھر ایک معیار ہے اور حدیث شریف میں مذکور ہے کہ کسی کی شکل حلال جانور کی شکل پر ہو تو کم از کم وہ نجات کا امیدوار ہوتا ہے اگر بندہ کے اس پائے کے اس کے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ضائع نہ ہو' کوتاہیاں ہوں' کمزوریاں ہوں' تو اس کی شکل انسانی نہیں رہتی جب وہ انسانی معیار سے نیچے آتا ہے لیکن ایمان ضائع نہ ہو تو حلال جانور جیسی رہتی ہے اس کی نجات کی امید ہوتی ہے۔ اگر ایمان پر بھی زد پڑ جائے تو پھر شکل مسخ ہو کر موذی جانوروں جیسی اور مردار جانوروں جیسی ہونا شروع ہو جاتی ہے اور عموماً" جسے یہ رویت اشکال کی سمجھ ہو۔ شروع میں حضرت باقاعدہ کرایا بھی کرتے تھے پھر حضرت نے یہ بند کر دیا اس کے بعد ہم نے اس دروازے کو چھیڑا بھی نہیں۔ رویت اشکال کا مراقبہ اگر توجہ دے کر کرایا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس شہر میں کتنے انسان ہیں اور کتنے انسانی معیار سے گر چکے ہیں اور کتنے حلال جانوروں کی شکل پر اور کتنے بے شمار لوگ اژدھے خنزیر اور ریچھ اور بندر بن چکے ہیں۔ تو یہ بگڑی ہوئی جو شکلیں ہیں جہنم میں بھی اس شکل میں جائیں گے انہیں انسانی صورت عطا نہیں ہو گی۔ کیونکہ انسانی صورت صرف اہل جنت کی ہو گی اور اللہ کے ان بندوں کی جنہیں نجات نصیب ہو گی۔

سوال :- کہ کیا اسی لطیفہ ربانی یعنی روح کو دوزخ میں جلنا ہو گا اگر با ایمان نہ مرا تو؟

جواب :- لطیفہ ربانی میں جو تجلیات باری ہیں وہ کفر ہونے پر کافر ہونے پر سلب ہو جاتی ہیں اور باقی جو عنصر رہ جاتا ہے وہ صرف مخلوق کا ہوتا ہے۔ یہی تو آزمائش ہے کہ اس میں جو تجلی رب کریم کی ہے اس سے محفوظ رکھنے کا نام ایمان ہے۔ اور ان تجلیات سے محروم ہو جانا اور صرف ایک مخلوقی تخلیقی عنصر کو باقی رکھنا یہ کفر ہے۔ تو دوزخ میں تجلیات باری تو نہیں جائیں گی چونکہ وہ تو اپنے کفر کی وجہ سے وہ نور تو وہ دنیا میں ہی اس سے دستبردار ہو گیا باقی جو تخلیقی عنصر تھا روح' روح بھی ایک مخلوق ہے جس کی بنیاد ان تجلیات پر ہے یعنی روح کا کوئی بیج نہیں ہے۔ اس کا کوئی ماں باپ نہیں ہے' وہ کسی درخت سے نہیں نکلی بلکہ وہ جو تجلی فرمائی ذات باری نے۔ اس سے اس کی تخلیق ہوئی۔

اس کی تخلیق کا سبب بنی۔ اب اس مخلوق میں اس تجلی کی روشنی کو باقی رکھنا اسلام ہے اور صرف وہ مخلوق رہ جائے اور اس کی جو پیدائش کا سبب جو بنا تھا وہ۔ میرے پاس ایک دن آیا بوڑھا سا آدمی ہمارے گاؤں کا۔ اور کہنے لگا یار تم دوائیں منگواتے رہتے ہو اور تمہارے پاس کوئی دوائی ہو گی اور تم سمجھ دار بھی ہو تو مجھے دوائی دے دو۔ میں نے کہا بھائی کون سی دوائی تمہیں دے دوں۔ کہنے لگا کہ ماں کا جو دودھ تھا ناں میرے وجود میں وہ ختم ہو گیا ہے۔ آپ اس کا محاورہ نہیں سمجھیں گے۔ اس کا جسے آپ نروس بریک ڈاؤن کہتے ہیں ناں ہو گیا بندے کا۔ اس کا سوال یہ تھا کہ جب تک ماں کے دودھ کا اثر رہتا ہے تو بندہ تگڑا رہتا ہے اور اگر اعضاء و جوارح جواب دینے لگتے ہیں۔ پٹھوں میں درد ہونا شروع ہو جائے' کام کرنے کو جی نہیں چاہتا' پڑا رہنے کو جی چاہتا ہے' کوئی بلائے تو لڑ پڑتا ہوں تو اس کا سبب اس کے نزدیک یہ تھا کہ ماں کے دودھ سے جو طاقت ملی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اب باقی لڑائی جھگڑا رہ گیا تو ایک عنصر اس کی سوچ مجھے بڑی پسند آئی کہ بات تو اس نے بڑی حد تک پتے کی کی۔ کسی طب کی کتاب میں میں نے نہیں پڑھی۔ اس کی بات مجھے پسند آئی تو وہ جو ایک قوت کا سبب یا اس کے شرف کا سبب یا اس کے احترام کا سبب یا اس کے کمالات کا سبب اب وہ مخلوق اس نور کے ساتھ جیتی ہے۔ تو وہ مسلمان ہے مومن ہے۔ اس نور کو ضائع کر دیا خالی تخلیق عنصر رہ گیا تو وہ کافر ہے اب وہ جہنم جائے یا کہیں جائے۔ تو جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہے وہ اس نے وہ ماں کا دودھ تو ضائع کر دیا پھر اب وہ بھگتے جو ہے۔

درود شریف کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، "کسی ولی اللہ پہ قرض زیادہ ہو گیا قرض خواہ نے مقدمہ کر دیا لیکن اس کے پاس تو ادائیگی کو کچھ نہ تھا۔ رات مراقبہ میں فنافی الرسول کر کے حضور سے اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا۔ آقا نے فرمایا عراق کے فلاں وزیر کو کہو وہ قرض چکانے کو رقم دے دے گا۔ کہنے لگا حضورؐ یہ کیسے ممکن ہے جب تک کوئی نشانی نہ ہو اعتبار کیسے کرے گا۔ تو فرمایا اس کو میرا سلام کہنا اور بتانا کہ روزانہ جو تمہارا درود کا تحفہ مجھے پہنچتا ہے فلاں روز نہیں پہنچا۔ یہی نشانی ہے۔

وہ شخص گیا، نبی کریم کا سلام کہا اور قرض کا واقعہ بیان کیا، وزیر رونے لگا اور اس نے بتایا روزانہ صبح میں ایک ہزار مرتبہ درود پڑھتا ہوں اس روز کچھ حکومتی کاموں کی وجہ سے چھوٹ گیا اور فرصت نہ ملی۔ گھر سے رقم لا کر قرض اور خرچ کے لیے دی۔ اور کہا آئندہ جب بھی کوئی ضرورت درپیش ہو مجھے مطلع کرنا۔ اگلی تاریخ پیشی پر جب اس مرد خدا نے ادائیگی کے لیے رقم نکال کر رکھی تو قاضی نے کہا چند روز قبل تو تم افلاس کا ذکر کرتے تھے آج جیلا یہ رقم کہاں سے آئی۔ اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ قاضی نے رقم لوٹا دی۔ اور کہا یہ قرض میں ادا کرتا ہوں۔ لیکن مدعی نے کہا میں تو اب معاف ہی کرتا ہوں۔

(حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)

نوٹ

المرشد کا سالانہ چندہ مبلغ -/۱۵۰ روپے مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال کریں:
ماہنامہ "المرشد"، اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاہور - ۵۴۷۰۰

★ ایسے شخص کو شیخ بنائیں جس کی صحبت میں اتباع سنت اور اتباع صحابہ جو اتباع سنت ہی کی ایک شکل ہے نصیب ہو، نہ ایسا آدمی جو بدعات میں مبتلا کر دے۔ اللہ ایسوں کی مجلس سے محفوظ رکھے۔

(حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ)

BISE لاہور اور پنجاب یونیورسٹی سے الحاق شدہ

دینی اور دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج

پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے تعاون سے

بورڈنگ کی سہولت دستیاب ہے

صِقارہ کالج لاہور

اقبال کے شاہینوں کا مسکن

داخلہ جاری

ایف اے - بی اے

ایف - ایس - سی

پری انجینئرنگ اور پری میڈیکل

- صحت مند پاکیزہ ماحول
- نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ کردار سازی پر خصوصی توجہ
- N.C.C اور کمپیوٹر کی لازمی ٹریننگ
- طلبہ سیاست سے پاک

محل وقوع اکبر چوک ٹاؤن شپ سے کالج روڈ پر چار کلومیٹر کے فاصلے پر اویسیہ ہاؤسنگ سوسائٹی (اللہ والی گلی) کے ساتھ ویگن نمبر 4 کے آخری سٹاپ باگڑیاں چوک سے پہلے مسلم چوک سٹاپ سے 400 میٹر مغرب کی جانب فون 842998

نوٹ: داخلہ کے خواہشمند طلباء جو میٹرک کا امتحان دے چکے ہیں فوری طور پر سادہ کاغذ پر معہ جوابی لفافہ درخواست ارسال کریں

prayers are offered not for Allah but for material gains or for winning a good name. Even "Zikr" and :Muraqbat" are used for satisfaction of ego and tor cheap poprlarity. Are such people worthy of Allah's support? The worst person is the one who uses religion to glorify himself instead of Allah. He will come to know the result of such beloviour on the Day of judgement.

But people do behave in such a manner. A lot of people don turbans and cloaks and advertise their spiritual powers for the sake of material gains, well knowing that they are not blessed with such qualities. Don't they know that they are not blessed with what they claim to possess? They do know! But they deceive, they cheat, because their bond of faith with Allah is very weak.

What will become of a nation whose spiritual leaders, let alone the religious ones are of such a character? Spirituality is The quintissence of all religious teachings. The purpose of Allah's "Zikr" is to give a true understanding of the Quran and a sound belief resulting in its implementation in our life.

It is a fact that a handful of people who have made a pledge of allegiance with Allah can bring about a revolution. This handful of people who have won the support of Allah and who are defended by Allah are more powerful than any other power in the world.

May Allah grant us courage to obey Him with sincerity and strive for the glory and supremacy of the truth, Amen.

Translated by Faiza Rafi

خریدار توجہ فرمائیں

(پوسٹل کوڈ نمبر)

پوسٹ ماسٹر جنرل نے پابندی لگا دی ہے کہ ہر خریدار کے پتے پر پوسٹل کوڈ نمبر ہونا لازمی ہے۔ ورنہ رسالہ خریدار کو پہنچایا نہیں جائے گا۔ اس لئے ہر خریدار پر لازمی ہے وہ اپنا پوسٹل کوڈ نمبر فوراً" ہمیں لکھ بھیجیں۔ پوسٹل کوڈ نہ ہونے کی صورت میں ادارہ رسالہ نہ پہنچنے کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔

دعائے مغفرت

○ سلسلہ کے ساتھی خالد محمود کے والد عبدالرحیم اٹک وفات پا گئے ہیں تمام حلقہ احباب سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

○ سلسلہ عالیہ کے ساتھی آصف محمود ونکہ کے نانا جان وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

magnanimity and they can humble the super powers of their times. If at times Muslims have to face ordeals and suffering, it is to bless them further, if some are martyred it is to upgrade them spiritually; but Muslims as a nation are never humiliated

But it is not so today. These days even martyrdom is doubtful. Martyrdom is bestowed when life is laid down for Allah, but we are generally devoid of this noble intention

Now-a-days we are expressing our desire that people should behave righteously. But no one looks upon his own self. All the preachers consider them-selves above others. Their sermous are for others, where as a person should firstly feel answerable for ones own self and own character and then to his dependents;

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

(Strive hard to save yourself and your family from fire)

Then he should feel responsible for the safety of his country and his faith.

Today, acquiring material benefits, immediate satisfaction of desires, acquisition of power by hook or by crook, all are different idols which we worship and we are suffering because of this.

I think that the Muslim of today has to fight at many fronts. He has no other choice. He has to face the plots and sechemes of the Jews. He has to challenge the heathen politics; he has to confront the secular powers in all fields; science, research, economics, trade and commerce.

But how can we do this without Allah's support? We are forced to fight and defend ourselves in all fields. If we do'not adopt this course of action we would be worse off. And we can see, that for the last half a ceutury, each day is worse than the day before.

Even now we have time. Please discard all unnecessary rites and rituals. We should make at least one decision in our lives ie. The resolve to be honest and loyal to our beloved Prophet (SAW); the resolve to act according to our own 'Deen; (way of life).

This resolve should be inflexible and should never be compromised. Once we have made this decision Allah will reach out and hold our hand and He well undertake the responsibility to help us carry out this decision.

But Alas ! we are unable to make this decision. Even our

When we read this verse that Allah defends the faithful it naturally occurs to us that today the most ill treated and oppressed people on the face of this earth are those who claim to have faith in Allah and His Prophet (SAW).

But, no, Allah does not defend every claimant to faith He declares

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ

Allah does not love those who are unfaithful and ungrateful. Let alone defending them or helping them to overpower their enemies, He totally disapproves them.

Now-a-days it as customary to discuss the causes of the down fall of the muslims is an ummah. Some think that it is all because of the high- handedness of America while others think that this is the result of plotting by the jews. We are constantly whining that the west is responsible for all this.

But have we ever pondered over the fact that we, the Muslims, have deprived ourselves of the Divine Protection? By being ungrateful to Him and by being deceitful, we have proved that we are not worthy of His protection or that he might fight against our enemies or infuse us with power and high spirit to face our enemies and attain victory against them.

This is like a person who has tied up his hands and feet and thrown himself into the sea. He has no right to complain that the waves are drowning him or that the sharks have torn him apart.

In this verse Allah has used the word "يُدَافِعُ" ie "defend" and not "حفاظت" ie "protection". :Protection" suggests absence of opposition, that is, being protected against opposition, while "defend" implies that there will be opposition, oppression and tyranny. There will be scheming and plotting by the Jews. There will be kafir states and forces to reckon with, but Allah defends against all of these. "Defending" intrinsically connotes protection provided during combat. So when Allah says that he defends His faithful people, it means that He fights all these odds on behalf of His faithful servants. This shows that Allah blesses them with His company and nearness.

Allah declares in a Hadith - e - qudsi; "I become the hands of the "momin" to hold with, I become his feet to walk with, I become his ears to listen with."

So even a handful of true Muslims can invoke Allah's

prayers are offered not for Allah but for material gains or for winning a good name. Even "Zikr" and :Muraqbat" are used for satisfaction of ego and for cheap poprlarity. Are such people worthy of Allah's support? The worst person is the one who uses religion to glorify himself instead of Allah. He will come to know the result of such beloviour on the Day of judgement.

But people do behave in such a manner. A lot of people don turbans and cloaks and advertise their spiritual powers for the sake of material gains, well knowing that they are not blessed with such qualities. Don't they know that they are not blessed with what they claim to possess? They do know! But they deceive, they cheat, because their bond of faith with Allah is very weak.

What will become of a nation whose spiritual leaders, let alone the religious ones are of such a character? Spirituality is The quintissence of all religious teachings. The purpose of Allah's "Zikr" is to give a true understanding of the Quran and a sound belief resulting in its implementation in our life.

It is a fact that a handful of people who have made a pledge of allegiance with Allah can bring about a revolution. This handful of people who have won the support of Allah and who are defended by Allah are more powerful than any other power in the world.

May Allah grant us courage to obey Him with sincerity and strive for the glory and supremacy of the truth, Amen.

Translated by Faiza Rafi

خریدار توجہ فرمائیں

(پوسٹل کوڈ نمبر)

پوسٹ ماسٹر جنرل نے پابندی لگا دی ہے کہ ہر خریدار کے پتے پر پوسٹل کوڈ نمبر ہونا لازمی ہے۔ ورنہ رسالہ خریدار کو پہنچایا نہیں جائے گا۔ اس لئے ہر خریدار پر لازمی ہے وہ اپنا پوسٹل کوڈ نمبر فوراً" ہمیں لکھ بھیجیں۔ پوسٹل کوڈ نہ ہونے کی صورت میں ادارہ رسالہ نہ پہنچنے کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔

دعائے مغفرت

○ سلسلہ کے ساتھی خالد محمود کے والد عبدالرحیم اٹک وفات پا گئے ہیں تمام حلقہ احباب سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

○ سلسلہ عالیہ کے ساتھی آصف محمود وسکہ کے نانا جان وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

Sincerity of Faith

Maulana Mohammad Akram Awan

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ

(الحج)

(Verily Allah will defend those who believe:Verily Allah loves Not any that is unfaithful, ungrateful) 22:38

Dear friends ! In this verse from the sura Al-haj.Allah has emphatically declared one of His princeples, that is : Allah has made it incumbent upon Himself to defend the believers with true faith, against enemies, to give them courage to challenge their enemies and overcome them. This is His responsibility. has taken it upon on Himself to do, but take note that He has not used the future tense, but declares that it is being done and that it has always been done

But what if some one claims to have true faith, but does not show- gratitude for all that Allah has bestowed upon him? What if he presents himself as a righteous person but is deceitful? And the worst deceit is to be untrue to one's own faith; making false declaration of fair and selling out one's self respect for a few pennies. The worst deceit is declaring faith in the prophet (SAW) as the messenger of Allah but discarding his orders and discording his shariah for the sake of transient gai and material benefits. Is this not the worst kind of dishonesty?

Being dishonest in daily transactions is not as repugnant as dishonesty in matters of faith and in compliance with the orders of Allah and His Prophet (SAW)